

عید الاضحی، جشن آزادی مبارک
لکھنؤں نصیر

بچوں کا فتح صورت میگریں اور اپنے اور جمیعت میں اپنے سامان

الْأَمْوَادِ
جیافتائی

الْأَفْنَگَرِ

ALIF NAGAR

جو لائی، اگست 2022



New Arrival

Rs 600

+ Delivery Charges

To Order contact

 0321 8460220



الف نام

پیارے دوستو!

السلام علیکم ورحمة اللہ برکاتہ!

پارک کے ایک شاخ پر بیٹھا ایک بچہ چیس کھانے میں مصروف تھا۔ شاخ پر اس کے پاس ہرے شاپنگ بیگ میں سکٹ، کیک، چاکلیٹس اور بھی بہت سی جیزیں جماں کر رہی تھیں۔ اس سے کچھ فاصلے پر ایک دوسرا بچہ آن جیزوں کو بہت سی حرث بھری نظرؤں سے دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ بھوکا تھا۔ چیس کھاتے بچے کی نظر اچانک اس بچے پر پڑی۔ وہ اس کی نظرؤں کا مضمون بھیگ لی۔ وہ اٹھا اور اس نے اپنے پاس رکھی آدمی جیزوں اس بچے کو دے دیں۔ اس نے اپنی میں پسند چیزوں کی قربانی دی۔
بچہ!

اصل قربانی تو وہی ہے جو پوری خوشی کے ساتھ دی جائے۔ بالکل دیے ہی جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جان سے بھی پیارے بیٹے کو انشکی راہ میں قربانی کے لئے بیٹھ کر دیا۔ ہری قربانی تو وہ بھی ہے جو ہمارے بزرگوں نے ہمارے پیارے والوں کو حاصل کرنے کے لئے دی اور اپنا تن، من، وہمن دار نے سے بھی دریغ نہ کیا۔ اب یہ تم سب کا فرض ہے کہ اپنے والوں کے پاساں بھی اور اس کی حضرت پر آٹھ بھی نہ آئے دیں۔
ساتھیوں

گری کی چیزوں کا آغاز ہو چکا ہے۔ آم کا موسم ہے۔ میٹھے میٹھے آم خود بھی کھائیں اور اپنے بڑے سیوں کو بھی ضرور بھیجنیں۔ گری میں کم سے کم باہر نکلیں۔ گھر میں سارا دن اپنے اتنی انجوں کو پریشان نہ کریں۔ موبائل فون اور کمپیوٹر کا استعمال کم سے کم کریں۔ شام میں قریبی پارک میں جا کر کھلیں۔ گھر کے کاموں میں اپنی اتنی کی مدد ضرور کریں۔ آپ سب کو ہمارے دارے کی طرف سے عید الاضحی اور حشیش آزادی کی بہت مبارکباد۔
مشتبہ دین اور سب میں آسانیاں باقی۔
واعظان
(ادارہ)

ایمیٹر	عائشہ طبری	کرافٹز ایچ	محمد عاصم
سایمیٹر	آمنہ ارشد	کپڑا بیگ	شقب سلطان
موہون	حسن نصر	ایڈن ایگزیکٹو دارکنٹ اسٹریٹس 0323 846 02229	روشن آفتاب
آئٹ فیبر	شین تو قیر	فہد	شہزاد تھور
02 (اکٹھپاڑہ جمل) اسٹریپ	حمدانعٹ کھلیوں کی اہمیت جادو ڈرام	33 جادو ڈرام	33 جادو ڈرام
03 حریمیں	بند بخوبیں چیزوں کوواہ اور جتوں میں	36 بند بخوبیں چیزوں کوواہ اور جتوں میں	21 بند بخوبیں چیزوں کوواہ اور جتوں میں
06 اگدھیاں ٹارنی	کرکٹ کا بیان بے آہوں کے سفری	38 بے آہوں کے سفری جادو ڈرام	23 کرکٹ کا بیان بے آہوں کے سفری
09 غدکلیں	پائی گو بھوپون چیزوں کوواہ اور جتوں میں	40 چیزوں کوواہ اور جتوں میں حسن نصر	27 پائی گو بھوپون چیزوں کوواہ اور جتوں میں حسن نصر
11 عجمہ	شانیں عجمہ	41 اویپ کیل روہل حسن پیٹھانی	28 شانیں عجمہ
16 قریہ ایم ہائی	ریکس ماسٹر امیانٹ	43 میل ملاقات	29 ریکس ماسٹر امیانٹ

خطابات کے لیے: ماہنامہ الف گر B-1، وائٹ ہاؤس لین 2، سند رہاں روڈ، لاہور۔ فون نمبر: 042-36300351 | 0306-6665360 | submissions.alifnagar@alifkitab.com

فیس بک: alifnagarofficial@alifkitab.com | alifnagarofficial | ای میل: زیرِ اعتمام: الف کتاب پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لیمیٹڈ

قیمت فی شمارہ: 150 روپے | سالانہ (درجہ ذریعہ): 1000 روپے

میرے نبی

محمد ایوب عبدالرحمن

میری سوچوں کا محور ہیں میرے نبی ﷺ
دو جہانوں کے سردار ہیں میرے نبی ﷺ

آپ آئے تو روشن جہاں ہو گیا
نور رب سے منور ہیں میرے نبی ﷺ

سر جھکائے حرم میں وہ داخل ہوئے
خلق اکرم میں برتر ہیں میرے نبی ﷺ

حسن یوسف کو دیکھا کئی انگلیاں
حسن یوسف سے بڑھ کر ہیں میرے نبی ﷺ

مشک و عنبر سے افضل ہے عرق نبی ﷺ
آپ ظاہر مطہر ہیں میرے نبی ﷺ

رحم کرو بھیجیں اپنے ایوب پر
آپ تو رحم پرور ہیں میرے نبی ﷺ

حمد

ڈاکٹر شہزاد مظل

کروں کیسے تعریف اُس کی بیان
بنایا ہے جس نے یہ سارا جہاں

اسی نے بنایا ہے یہ آسمان
اسی نے سجا�ا ہے یہ گھنستان

یہ جگنو پرندے کلی تتلیاں
سب عظمت میں اس کی ہیں رطب لتساں

دیا اُس نے جیمع کا رستہ دکھا
دیا اُس نے اُنی کو رہبر بنا

نبی ﷺ جی نے اسکی ہے تعلیم دی
کسی کب رہی ہے کسی چیز کی

کریں شکر ہم اس کا کیسے ادا
محمد ﷺ کی امت میں پیدا کیا

براعظم جنوبی امریکہ کی ریاست کولمبیا میں واقع شہر بوجوگا میں چمکدار سورج مجھ کے طلوع ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔ آنکھیں سلات و مختل الارم بند کرتا اپنے بائز سے الٹے بیٹھا۔ حضرت بھری ایک نظر سائے دیوار پر موجود اس شہری فٹ بال پر ڈال کر وہ اپنی لکڑی کی نانگ کا سارا لیے ہاتھ روم میں گھس گیا۔ جلدی سے تیار ہو کر وہ کین میں آیا اور ناشستہ بننے لگا۔ ناشستہ میز پر لگا کر وہ اپنے ہارہ سال میئے ہیری کو اٹھانے چل دیا جو بائز میں دبکا گھری نہ دسوار رہا تھا۔ وہ جانتا تھا ہیری کو نیند سے جگانا ایک محنت طلب کام ہے جب کی اس کام کو وہ بالکل بعد کے لیے بچا کر رکھتا۔

”ہیری! انھوں جیسا مجھ ہو گئی، ہیری الٹھ جا ب۔ یا رے اس کے سر میں ہاتھ پھیلتا و مختل اسے آہتا آہتہ ہوش میں لا رہا تھا۔ آخر پھر دھنٹ کی تیک دو دو کے بعد ہیری جاگ گیا۔ و مختل نے اپنی مگر انی میں اسے تمبا دھلا کر کپڑے بدلوائے پھر ناشستہ کردا کر اسے سکول پھوڑتا وہ اپنے دفتر کی جانب چل دیا۔

و مختل برائیں ایک متوازن گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ تعلیم کے میدان میں عامی

تحمیم جیبل

جدبہ جنوں



بہار ایک نئی دوکان کا اسٹاپ بھی ہوتا رہتا۔
بیری اب آٹھ سال کا ہو چکا تھا۔ اکثر کہنا تھا کہ اس پیاری میں جھاپچل کی نسبت
بیری کی جسمانی قوت کے ساتھ اس کے سنتے، بھتی اور بولنے کی صلاحیت بھی کافی بہتر تھی۔
واکٹری ان ہاتوں سے ڈھنگل کا سروں خون بڑھ گیا تھا۔

لیکن اس خوشی کے ساتھ بھی قدرت کی ایک آخری چوت باقی تھی۔ ایک دن
ڈھنگل کام سے لوٹا تو خلاف موقعِ سطحی مسٹر پڑھی تھی۔ ڈھنگل نے اسے جگانے کی
بہت کوشش کی لیکن سطحی حرکت قلب بدھونے کے باعث ابدي نیند ہو چکی تھی۔ ایک
کے بعد ایک ہونے والے حادثات نے ڈھنگل کے حصے پست کر دالے تھے۔ اب
اس کی زندگی بس اس کے بیٹے بیری کے گرد کر دی کرتی تھی۔ ہر جج اپنے کمرے میں
موجود اس سنہری فٹ بال پر نظر ڈال کر ڈھنگل پر سے نئے سرے سے ہٹ باندھتا۔
اب وہ صرف بیری کے لیے سانس لے رہا تھا۔

بیری کو سکول چھوڑ کر ڈھنگل اپنے کام پر چلا جاتا۔ تم بیجے بیری کو سکول سے
لے کر گھر جاتا، وہ گھنٹہ آرام کرنے کے بعد شام میں ایک گھنٹہ بیری کو لے پا رک کی
 جانب کل پڑتا۔ گھر واپس آ کر رات کا کھانا بناتا اور کھانا کھا کر پورے نوبیجے بیری کو سلا
 د جاتا۔ زندگی گھری کی سویجوں کی ماندہ ایک ہی رفتار سے چلتی چاہی تھی۔

ئے دن کا سورج نئی امیدوں کے ساتھ طیوع ہوا۔ حسبِ معقول ڈھنگل نے بیری کو
سکول چھوڑا اور کام کی غرض سے اپنی منزل کی جانب رواں رواں ہو گیا۔ کام بینا کر گیا رہ بیجے
کے قریب وہ بیری کے سکول کی جانب پہل دیا۔ آج بیری کو واکٹر کے پاس لے جانا تھا۔
ڈھنگل سکول میں داخل ہوا تو اس کے ہدوں کے پاس ایک سیاہ بربڑ کا فٹ بال
آ کر رکا۔ اس نے فٹ بال اٹھا کر اس جانب اچھا لاتو اسے جبرت نے آیا۔ ڈھنگل کچھ
دیر تو اپنی نظروں پر یقین نہ کر سکا۔ اس کے سامنے بیری کچھ بچوں کے ساتھ فٹ بال کھیل
رہا تھا، کسی عام پیچے کی طرح۔ ایک لمحے کے لیے ڈھنگل کا دل قابو سے باہر ہوا، دھڑکن
سراکت ہوئی۔ یہ نظر اس نئی تھا ہے وہ بکلی پارہ کچھ رہا، وہ گمراہے میں کوٹ فٹ بال کھیلتے
دیکھنا یقیناً اس کے لیے تاریکی میں اچانک جلتی روشنی ساتھا۔

جلد ہی وہ ہوش کی دنیا میں واپس آیا جب بہت سکرنا تھا بیری اس کے پاس دوڑ کر آیا۔
”ذیلی افت بال کھیل آپ بھی۔“ بیری نے اپنے باپ کی انگلی تھام لی۔
”چھوپنا! ذاکٹر پر چلانا ہے۔“ ڈھنگل نے بیری کے چہرے پر چھکی دی اور اسے
لیے ذاکٹر پر روانہ ہو گیا۔

ڈاکٹر سے واپسی تک بیری راستے میں ہی کہری نیند سوچ کا تھا۔ گھر پہنچ کر ڈھنگل
نے اسے ستر پر لایا اور خود چکان کے عالم میں کافی کاک تھام کر کی دی کے آکے جم کیا۔
ایک ایک چیل بدلتے اچانک ہی ڈھنگل کے کان کھڑے ہو گئے۔ ٹبلویزیون پر ایک

کی کوشش کی مگر اسے اپنے بیویوں میں کوئی طاقتِ محبوس نہ ہوئی۔ اپنا ہاتھ لہما کر کے
ڈھنگل نے اپنی ناگلوں پر موجود سطیہ چادر بٹائی تو اس کی آنکھیں پھین کی پھین رہ گئی۔
اس مظہر کی تاب نہ اتے ہوئے ڈھنگل پھوٹ پھوٹ کر رودیا۔ پوراوارہ اس کی وجہ
اور پیکیوں سے گوچ اٹھا تھا۔

جادوئے کی شدت کے باعث ڈھنگل اپنی ایک ناگ سے ہاتھ دھو بینا تھا اور
زندگی بھر کے لیے مدد و رہا گیا تھا۔ ناگ کے جانے کا دکھ شاید اتنا نجات چاہتا ہے خواب
کے نوٹ جانے کا تھا۔ اس ایک جادوئے اس کے بھین کا خواب پچھا پور کر دا لاتھا۔
ڈھنگل کے لیے تو یہی اب زندہ رہنے کا کوئی مقصد ہی باقی نہ رہا تھا۔ ایک طویل عرصہ
حکم ڈپریشن اور ذہنی دباؤ کا شکار رہنے کے بعد آہستہ ہستہ ڈھنگل زندگی کی طرف
واپس آنے لگا۔ اس کی مدد و رہی کو قائم کرنے کے لیے ذاکٹروں نے اسے لکڑی کی ایک
خود ساختہ ناگ بنا دی تھی جس کی بدولت اب ڈھنگل کچھ حد تک آزادی سے چلنے
پھرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ پڑھائی سے کیونکہ اسے خاص لگائے تھے اس اپنے باپ کے
کاروبار میں ان کا پا ہاتھ بٹائے لگا اور ان کی وفات کے بعد اس نے دن رات گفت سے
اپنے باپ کے کام کو مزید دیتے کیا۔ پہچان سال کی عمر میں ڈھنگل نے سطحی ناہی لزکی
سے شادی کر لی۔ ڈھنگل اور سطحی ایک خوچال زندگی گزار رہے تھے جب شادی کے دو
سال بعد ان کے ہاں میئے کی پیدائش ہوئی۔ خوشی سے نہال ڈھنگل ابھی اپنے بیٹے کی نظر
بھر کر کچھ بھی نہ پایا تھا کہ ذاکٹر نے اس کے انسان خطا کر دا لے۔ اس کا تومادو دینا
نہ رہنی تھا۔ ذاکٹر نے اکٹھاف کیا کہ اس کا پیٹا سیر یہرل پاسی ناہی ایک یاری کا شکار
ہے جو کہنے کا تصرف، ایک یاری تھی پر ھتھیار باریوں اور مسائل کا ایک جھنڈہ تھا جو وہ تبا
فوقاً اس کے میئے کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے گا۔ سرچھوٹا ہونے کے باعث اس کا پیٹا ذہنی
مدد و رہی کے ساتھ آؤ دھ جسم کے فانی کا شکار تھا۔ ذاکٹروں نے ہر یہ اکٹھاف کیا کہ اس
کا پیٹا ہی عام بچوں کی طرح بات کر سکے اور میں ٹھکن تھا اسے دیکھنے اور سننے میں بھی
مسائل کا سامنا کرنا پڑے۔

ڈاکٹروں سے ملنے والی خبریں ڈھنگل کیلئے کسی دھماکے سے کم نہ تھیں۔ کچھ درج تک تو
اس کی تمام حیات یہیے رہیں ہو گئی تھی۔ آخر دو گھنٹوں میں کرتا ڈھنگل پھیل قدم اٹھاتا
اپنے بیٹے کے پاس گیا۔ اس نئی ہی جان کوڑے میں بند سانس کی نالیوں میں ہکڑے دیکھے
کر ڈھنگل کا پتھر ہیسا دل اچانک ہی دھڑکنے لگا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کی اچھی پروردش
کرے گا، اس کا پیٹ کی مام پیچے کی طرح زندگی گزارے گا۔ ذاکٹر کی ہاتوں کو نظر ادا کر
کے ڈھنگل نے اپنے بیٹے کو میئے سے لگایا اور اسے بیری نام دیا۔ دن گزرتے جا رہے
تھے، وقت بیت رہا تھا، ہر گز رہتے دن کے ساتھ بیری کے مسائل بھی بڑھتے جا رہے
تھے۔ ہر بہنہ بیری کو ذاکٹر کے پاس لے جایا جاتا جاتا اور معاون کیا جاتا اور ہر

ہوا کرتا ہے۔ فیلڈ کا قطعہ 75/55 میٹر ہوتا ہے۔ اس فٹ بال میں آف سائینڈ ڈون بھی لا گوئیں ہوتا۔ تو نامٹ کے اختتام پر اگر دونوں ٹیکوں کا سکور برابر ہو تو انہیں دس منٹ کا اضافی وقت دیا جاتا ہے جس میں پہلے سکور کرنے والی ٹیک قائم قرار پاتی ہے۔

بیری اس کھیل کی کھلکھلی ایف ٹی سین کی نسبت سے کھیل میں شریک ہو سکتا تھا۔ وہ خیل اپنی طرف سے کھل کوٹھ کر رہا تھا اور آخروہ ان آیا جب اس کی محنت رنگ لے آئی۔

ستھنکی مدد کی بدوالت بیری کا کولبیا کی جیو اونڈس کھیل ٹپٹ بال ٹیک میں با اسنی تھاب ہو گیا۔ وہ خیل کی خوشی دیدنی تھی۔ میں الاقوای فٹ بال میں اپنی ریاست کی نمائندگی کرنے کے لیے بخوبی کبھی اس کی آنکھوں نے نہیں تھے ایک ایک کر کے بیری کی صورت میں تھیں اوتے چارے تھے۔

تو نامٹ کا آغاز ہو چکا تھا۔ ایک کے بعد ایک تھی جیتنے کے بعد کولبیا کی ٹیک فائل تک رسائی حاصل کر چکی تھی۔ اس دوران ان پیچوں کی جسمانی صحت اور کارکردگی کا پورا خیال رکھا جاتا۔ واکٹر اور ماہرین کی پوری ٹیم ہر دقت سرگرم رہتی تاکہ کسی بھی ان ہوئی سے بچا جاسکے۔ پیچوں کو ٹیک آنے والی معمولی ہی انجری یا خراش کی صورت میں بھی انہیں خاص توجہ دی جا رہی تھی جا کہ پیچوں کی کارکردگی ممتاز ہو سکے۔ وہ مری طرف پیچوں کے کوئی پوری محنت اور لگن سے کام کرتے ہوئے ان خاص پیچوں کو کھیل کے ضوابط سکھاتے رہے۔ آخروہ گھری آن پہنچی جس کا وہ خیل کو انتھار رہا۔ فائل تھی میں کولبیا کا مقابلہ نیدر لینڈز کی ٹیم سے تھا۔ نیدر لینڈز کی ٹیم اب تک نہیں مدد کارکردگی کا مظاہرہ کرتی آئی تھی۔ کھیل کے ایسے عمدہ مظاہرے شاید وہ خیل بھی پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ اس وقت وہ خیل بیری سے زیادہ لمحن کا فکار تھا۔ یہ آخری سیدان تھا جس میں پیچ پا کر بیری دنیا وہ لوں کے لیے صرف قائم قرار پائے لیکن وہ خیل کے لیے یہ جیت اس کے خواہوں کی جیت تھی۔

آخري تھی کا آغاز ہوا۔ شروعات سے اسی نیدر لینڈز کی ٹیم کو کولبیا پر بھاری روی۔ ایک کے بعد ایک گول کرنی کر تھی نیدر لینڈز کی ٹیم جیت کے لیے پر امید تھی۔

وہ خیل کی دھڑکنیں پہنچا ہوئی جا رہی تھیں۔ کنپیوں پر وہ سچ پیڈ کی وحاریں اس کی بے قراری کو عاں کر رہی تھیں۔ آخر کولبیا کی جانب سے بھی گول کیا گیا۔ وہ خیل کی سائیں پکھ بحال ہو گیں۔ اب آہستہ آہستہ کولبیا کی ٹیم اپنی فارم میں واپس آ رہی تھی۔ اور شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیری نے آخری گول کیا اور یوں کولبیا کی ٹیم قائم قرار پائی۔

وہ خیل کی آنکھیں آنسوؤں سے تھیں۔ بے خیال میں فیلڈ کے وسط میں بھاگت وہ خیل بیری کو گود میں اٹھا ہا۔ ہوائی جھولاتا اپنی خوشی کا اٹھار کر رہا تھا۔ اپنے خواب کی تجہیزوں پا ہائینا ناقابل تھیں تھا۔ بیری کا ماتھا چوم کر وہ خیل نے اسے سینے سے گالیا۔

خاتون ایکٹر پر سن پر جوش انداز میں جیسا اونڈس کھیلوں کے انعقاد کا اعلان کر رہی تھی جس میں شمولیت کے لیے کھلاڑیوں کے انتخاب کا باقاعدہ آغاز ہو چکا تھا۔

جیسا اونڈس کھیلوں میں دنیا بھر کی مخصوص ریاستوں سے ان افراد کا انتخاب کیا جاتا ہے جنہیں کوئی پیدائشی مرش ہو یا جن کے سوچنے بھئے کی صلاحیت عام لوگوں کی نسبت کم ہو۔ عام لوگ جنہیں وہ خیل پیچوں کے نام سے جانتے ہیں۔

وہ خیل ابھی انہیں خیروں پر غور کر رہا تھا کہ خیل اختمام پر یہ ہو گئی۔ وہ خیل اب بھی اس کے ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔ جیسا اونڈس وہ خیل پیچے۔ بیری اور فٹ بال۔ وہ خیل کو یہ قدرت کا کوئی اشارہ معلوم ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں کی بڑھتی روشنی اس کے دل کے حال کی عکاسی کر رہی تھی۔ اسی بذریعتاً وہ خیل سیدھا اپنے کپیڈ کے سامنے جم گیا اور انتزاعیت پر جیسا اونڈس کھیلوں کی تفصیلات ایک کا نزد پر نوٹ کرنے لگا۔

مکمل تفصیلات لکھ کر وہ صحیح کا انتھار کرنے لگا۔ اس کے پاس کھونے کو پہنچنیں تھیں۔ اپنا خواب اسے بیری کی صورت میں پورا ہوتا دکھائی دیا۔ وہ خیل اپنی تیز چلتی سانسوں کو قابو میں کر رہا وہ خیل سونے کے لیے لیٹ گیا۔

صحیح بیری کو سکول پھوڑ کر وہ خیل اپنے پرانے دوست سمسم کے دفتر پہنچ کیا۔ اسکے دل کے میں الاقوای متابلوں میں مہماں کے طور پر شرکت کیا کرتا تھا۔

سمسم کو مکمل صورتحال سے آگاہ کرتا وہ خیل پر امید لگا ہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سمجھا اپنے دوست کو مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ فٹ بال کے لیے وہ خیل کے جون سے وہ اچھی طرح واقع تھا۔ لہذا اتنا کارک سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سمجھنے وہ خیل کو مکمل تھیں دہانی کرائی کہ جہاں تک ہو سکے بیری کو فٹ بال کے لیے تیار کرنے میں اور جیسا اونڈس میں اس کا انتخاب کروانے میں وہ معادن دمودگار ہے گا۔

وہ خیل کی زندگی میں ایک نیا مقصد آگیا تھا۔ اسے تھیں تھا کہ اس کا خون اثر ضرور دکھائے گا۔ بیری بھی اتنی ہی عمدگی سے فٹ بال کھیلے گا جیسے بھی وہ خود کھیل کر رہا تھا۔ اپنے منصوبے پر عملدرآمد کرنے کے لیے وہ خیل نے فوری کام شروع کر دیا تھا۔ وہ بیری کو اچھی سے اچھی خدا دیا کرتا جس میں تھیات، پرلین اور نشاست و افر مقدار میں موجود ہوں، اور اسی درزش کر دانے لگا جن سے اس کے پٹھے اور بدیاں آہستہ آہستہ کھیل کی تھی کو برداشت کرنے کے لیے مناسب وقت تو انہی حاصل کر سکیں۔

دن گزرتے جا رہے تھے۔ اب بیری اپنے بیپ کی رہنمائی میں فٹ بال کے اصول و قوانین سیکھتا جا رہا تھا۔ جیسا اونڈس فٹ بال مامفت بال سے تدریس مختلف ہوا کرتی ہے۔ اس کا دورانیہ تیس منٹ ہوتا ہے جس میں پہندرہ منٹ کا ہاف نامم ہوتا ہے۔ ہر ٹیم سے سات کھلاڑی کھیل کے دوران فیلڈ پر موجود ہوتے ہیں۔ گول اور فیلڈ کا تقدیر بھی عام فیلڈ سے کم



"شہاباں" اور موی کے کان میں یہ آواز پڑتے ہی وہ اور تن کرکھرا ہو گیا۔ جب دبارہ گیند آئی تو اس نے پھر پرے زور سے آسے ضرب لگائی۔ اب کے بارہ میں بالکل باہمی کے تباہی کے لیے بھی کافی تھے۔

"آخوندجھے پر کھیل اپھاگتے کا ہے۔ مجھے امید ہے میں جلد ہی اس میں مہارت حاصل کروں گا۔" اس سپہر کو موی سے ہاتھ بھی کر دالی گئی۔ سب اس کی گیند کی رفتار دیکھ کر جان رہ گئے۔ اس نے دلوں کو آٹھ بھی کیا۔ دونوں دفعہ گیند ان کی درمیانی و کٹ کو اڑا لے گئی۔ معادنے کھیل ختم ہونے کے بعد موی کو بہت شہاباں دی اور اسے اپنا بیان خریدنے کو کہا اور اسے سمجھایا کہ وہ بڑے لذوں کے بلوں سے نہیں کھل سکتا۔ اسے اپنے مطابق بنا خریدنا پا چاہیے۔ موی خوش خوش دوزتا ہوا گھر کیا اس نے اپنی اتنی جان کو سارا ما جوہ بتایا اور ان سے پوچھنے لگا۔

"اتی! کیا آپ مجھے بنا خرید کر دیں گی؟" اتنی بولی۔

"وہ تو زیادہ بیسوں کا آتا ہے۔ جیسیں اپنا جیب فرق جس کرنا ہو گا۔" یہ کام موی نے

موی جب آخر سال کا ہوا تو اپا نک آسے احساس ہوا کہ کرک کھینا اسے پسند ہے۔ اس سے پہلے اسے یہ کھیل بالکل پسند نہیں تھا۔ اسے ایسا لگتا تھا جیسے کرک کھیلنے ہوئے زیادہ وقت وہ دوسرے لذوں کی زوردار ضرب لگائی ہوئی گیندوں کو روکتا ہے۔ جو لوکے اپنے کرک کے بلوں سے لگاتے ہیں۔ وہ کھیلنے والے دوسرے لذوں سے کہیں چھوٹا تھا اور وہ بھی کھاری اسے پہنچ یا بوٹک کرنے دیتے۔ لیکن ایک دن دو بڑے لڑکے کھینچنے لگیں آئے۔ تو معاذ جو نہ کا پہنچا تھا۔ موی سے بولا:

"لیکن میرے پاس بنا نہیں ہے۔" دوسرے سب لذوں کے پاس اپنے اپنے بیٹے تھے۔ اور اب موی کو یہ موقع کرشم آرہی تھی کہ اس کے پاس اپنا بنا نہیں تھا۔ معادنے کے لگا: "تم میرا بیٹا استعمال کر لو۔ صرف ایک مسئلہ ہے کہ یہ بات چہارے مطابق ہے؟" لیکن گفرن کرو اور جا کر زور سے گیند کو ضرب لگا۔ دیکھتے ہیں تم اس کا رسکتے ہو کر نہیں۔" موی کو معادنے کے بیٹے کے ساتھ کھیلتے ہوئے بڑا فخر ہوس ہوا۔ اس نے بنا پکڑا اور میدان میں گیا۔ بیٹے کو ہاتھ میں لیکر صحیح پوزیشن بنانے کرکھرا ہو گیا اور گیند کے اپنی طرف آنے کا انتشار کرنے لگا اور پھر گیند کو آتے ہی زور کی ضرب لگائی۔ گیند جوڑ لھکتی ہوئی میدان میں کافی دور تک چلی گئی۔ معادنے پلا کر بولا:

احمد عدنان طارق

کرکٹ کا بلا



میں پیسے ہی جمع کر رہا ہوں۔ ”معاذ نے اسے دوبارہ کہا۔
”تو پھر مجھ سے پہلے فریب لو اور میں نے تمہیں یہ خبر بھی دیتی تھی کہ دوز مجھ مجھ کے لیے ہمیں کریں۔“ اگر کرنی ہوتا آجاتا۔ ”موی بولا۔
”تمیک ہے میں آؤں گا۔“ لیکن مجھ کی صحیح اس کی اتنی نے اسے بتایا۔ موی دعا کر رہا تھا کہ تمہیں اس کو کوئی کام نہ کہتا ہو۔ لیکن ایسا ہی ہوا۔ وہ بولیں：“
موی بینے امیں چاہتی ہوں کہم ذرا خالد ہر کے گھر پڑے جاؤ۔ تمہیں معلوم ہے کہ دو اگلے بیٹے کھرتہ دیل کر رہی ہیں۔ وہ ساری پرانی چیزوں کا ایک دفعہ غور سے جائزہ لیتا چاہتی ہیں جس کے لیے چیزیں اٹھانے کے لیے مد کے لیے کسی کی ضرورت ہے۔ میں تو جیسیں سعکت قم چلتے جاؤ۔ تم دوز دوز کے کام کر سکتے ہو اور تمیزی سے بیز صیال اتر چڑھ کر کے ہو۔ ”موی مایوس ہو کر بولا:

”لیکن اتنی جان آج صحیح تو ہم نے کر کت کھیلنے کی مشق کرنی ہے۔ مجھے ہر صورت جا کر تم کے ساتھ شال ہونا ہے۔“ اتنی بولیں:
”تم آج شام کو بھی کر کت کھیل رہے ہو اور ایک دفعہ دن میں کھیلنا کافی ہے۔ اب تم میرا کہنا نہ ہو اور دوز کر اپنی خالد کی مدد کے لیے جاؤ۔“ لہذا موی کو جانا پڑا۔ اس کی خالد کے بیٹے میں موجود آجی تھی جس کی وجہ سے وہ تکراری تھیں اور موی جیسیں چاہتا تھا کہ اس حالت میں خالد جان بیز صیوں پر اور پر نیچے اتریں۔ وہ پہنچا تو خالد بولیں:
”آج بیٹا کیا تم میری مدد کے لیے آئے ہو۔ تم بہت اچھے ہیئے ہو۔ مجھے بھیں ہے کہ تم اپنا کوئی کام چھوڑ کر نہیں آئے۔ جیسے کھیل دغیرہ۔“ موی بولا:

”اقری خالد ایسا ہی ہے۔ لیکن وہ اتنا ہم نہیں تھا۔ آپ کے پاس میں موجود آئی ہوئی ہے۔ میں بیز صیوں سے سلامان یچھا اوس کا۔“ بس پھر موی ساری صحیح مدت سے کام کرتا رہا۔ لیکن اسے کام کرتے ہوئے ہر ابھی اور ہاتھ کیک اور دلی منزل میں طماریوں میں بڑے پر اسرا جم کے ذبیبے پڑے ہوئے تھے۔ جنہیں کھول کر دیکھا جانا تھا۔ ذبوں میں پرانے کپڑے سے بھرے ہوئے تھے۔ پرانے لباس اور کوت تھے۔ صندوق تھے جن میں پیش کے برتن تھے اور ایسے صندوق بھی تھے جن میں پرانے اخبار اور کتابیں تھیں۔ خالد بولیں:
”یہ دوی کا اجر ملکہ دے گا اور یہ سارا کچھ گھن میں لے جاؤ۔ ان جنہیں کے رخموں کو کھیل سے رکھو۔ انہیں اچھی قیمت میں بیجا جائے سکتا ہے اور یہ پرانے اخبار جاؤ۔“ موی دوز دوز کر بیز صیال چڑھتا اترتا رہا۔ وہ چونا تھا لیکن محنت مند رکھتا تھا۔ لیکن کام کرنے کی وجہ سے تھک گیا تھا۔ اس نے الماریاں دیکھیں اور صرف ایک کستے کا بڑا اڈپہ دیا تھا۔ خالد بولیں:

”اس کا ڈھنکا آئیا اور دیکھو اس کے اندر کیا ہے؟ یہ میرے بھائی جان کا ہے جو کئی سالوں سے ہج و ملک رہے ہیں وہ تمہارے ماموں ہیں اور ہر ہی در سے ملک داہم نہیں آئے۔ میرا خیال ہے ان کے پرانے کپڑے ہوں گے۔“ واقعی ایسا ہی تھا۔

فوراً شروع کر لیا۔ اس نے ہر ہی مدت سے پیسے جمع کئے۔ اس نے کئی دن اپنے جیب خرچ سے ایک پیسے فرچ نہیں کیا۔ اس نے پڑا سیوں کے کام کرنے کے لیے ہر ہی دوز دھوپ کی۔ اس نے ہر طرح کے کام کر کے پیسے جمع کرنے کی کوشش کی۔ وہ اپنے مطابق ایک بہت خوبصورت بیکھلوں کی دیکھان پر دیکھا آیا تھا۔ اور جب مکن ہوتا وہ اسے خریدنا چاہتا تھا۔ لیکن جب تقریباً اس نے اتنے پیسے جمع کرنے جتنے بالا فریدے کے لیے ضروری تھے۔ تو ایک پیسے آٹے آگئی۔ وہ ایک کرکت کی پرانی گیند سے جیز بولک کی مشق کر رہا تھا کہ گینداں کے ہاتھ سے پھسل کئی اور آگے کو جانے کی بجائے رائیں کو چلی گئی۔ اس نے دیوار پچالا گئی اور پڑوں میں رہنے والی تیکم یا سیمن کی کھوکی کا شیش چور کر دیا۔ تیکم یا سیمن اپنے باعثیں میں تھیں اُنہوں نے شیش نوٹے کی آواز سنی اور پھر دیوار کے اوپر سے موی کا خوفزدہ پیروزہ دیکھا موی نے کہا:

”مجھے بہت افسوس ہے میری قلمبی سے ایسا ہوا ہے۔“ تیکم یا سیمن نے کہا۔ ”مجھے ناراض ہونے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ شیشے کے پیسے مجھے قم دینے والے ہو۔ تم ہی یہ نقصان بھرو گے۔“ لہذا چارے چارے موی کی تمام بیوائی ہوئی رقم جس سے وہ نیا بala فریدے والا تھا۔ تیکم یا سیمن کے نقصان کو پورا کرنے میں صرف ہو گئی۔ موی بہت افسردو تھا۔ وہ تمام رات روکر اپنے بھائے کو بھجوتا رہا اُسے وہ تمام مدت یاد آرہی تھی جو اس نے اس رقم کو بین کرنے کے لیے کی تھی۔ ہر کیف وہ کرکت کھیلتا رہا۔ معاذ اس سے بہت خوش تھا۔ وہ موی سے کہنے لگا:

”تم ایک دن بہت اچھے گیند باز ہیں جاؤ گے اور بلے باز بھی مجھے لگتا ہے کہ گرمیوں کی چینیوں میں ساتھ دالے قبیلے کی نہیں کے ساتھ ہونے والے بیچ میں مجھے جھیں کھانا پڑے گا۔“ موی یہ سن کر بہت خوش ہوا وہ جواب میں کہنے لگا:

”کوئی بچپنی دس سال کی عمر سے پہلے نہ میں شامل نہیں ہو سکا میں تو صرف آٹھ سال کا ہوں۔“ معاذ بولا:

”لیکن جھیں بہت شوق ہے اور تم اچھے گیند باز اور بلے باز بھی ہو۔ لیکن خدا کا واسطہ اپنا ذاتی بala فریدہ بھی لو۔ تم اپنی تکنیک بھاری یلوں سے کھیل کھیل کر خراب کر لو گے۔ اپنا ذاتی بala فریدہ اور گرم بیچ کھلانا چاہتے ہو۔“ بے چارہ موی اپنے کہنا کہ بala فریدہ لو بہت آسان تھا۔ لیکن حقیقت میں اتنا آسان نہیں تھا۔ اس کی اتنی جان کے پاس واقعی اتنی رقم نہیں تھی کہ وہ اُسے بala فرید کر دیتی۔ اس کے والد فوت ہو چکے تھے۔ لہذا اس کا جیب خرچ ہی تھا جسے وہ جمع کر سکتا تھا۔ موی نے سوچا۔

”کاش اس سے شیش نہ نہ ہوتا۔ وہ رقم بیچ کر جا بھی رہے تو بلا بیچ سے پہلے نہیں خرید سکتا۔“ معاذ نے ایک دن پھر اسے پوچھا:

”کیا تم نے بala فرید لیا ہے۔“ تو اس نے بے چارگی سے جواب دیا۔ ”ابھی تک تو



پنکی

نورا عصیان

نوری نے اک بُلی پالی
بھولی بھالی پیاری پیاری

پنکی پنکی اسے پکاریں
سفیدی گلابی رنگت والی

سفیدی ہے پاؤں پہ بھیلی
مولے مولے چینوں والی

وہ پ دھپ دھپ دھپ چلتی آئے
مولیٰ مولیٰ دم ہلاۓ

اوھر سے آئے، اوھر کو جائے
پنکی سب کے دل کو بھائے



پرانے سویٹ اور جرائیں اور چھپیں تھیں۔ لیکن ان سب کے پیچے کوئی اور چیز بھی تھی۔ موئی نے اسے شوق سے آئی۔ وہ ایک بہت سی خوبصورت کرکٹ کاپا تھا۔ جو ایک بھورے پلاسک میں بلوف تھا۔ موئی نے اسے باہر نکلا۔ وہ بولا:

"اوہ خالہ! زراؤ بخوبی کتنا خوبصورت تھا۔ اور اس پر کتنے لوگوں کے ہم لکھے ہوئے ہیں۔" خالد نے دیکھا اور بولیں:

"اس پر مشہور کرکٹز کے نام ہیں۔ جیسے یہ بخوبی ٹھیک عجائب کے دھنٹلیں۔ تمہارے ہاتھوں بہت اچھے کرکٹر تھے جسے جب وہ تمہاری عمر کے تھے۔ یا ان کا پہلا بیان تھا جو انہوں نے ہمیشہ سنبھال کر کھانا۔ کیونکہ ملے پہ انہوں نے اپنے پسندیدہ کرکٹز کے دھنٹلے کروائے تھے۔ وہ اس ملے پر فر کرتے تھے۔" موئی نے پوچھا:

"آپ اس ملے کا کیا کریں گی؟" دخوشی سے پوچھے کو گھور رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ معاذ اس ملے کو کچک کر کتنا مناثر ہوگا۔ خالد نے کہا:

"مجھے لگتا ہے بتا شوق تھیں کرکٹ کا ہے تمہارے تو اپنا بیبا ہو گا میرے پاس اپنا بیانگیں ہے اور مجھے ملے کی شدت سے ضرورت ہے۔ اور اس سے تھیں بالآخر جسیں مل سکا اور اگر پہلے جائے تو میں اپنا اہم تھیں اس سے بھیل سکوں گا۔" معاذ نے مجھے کہا تھا۔ یہ کہہ کر موئی نے خار سے بغل گیر ہو گیا۔ خالد نہ ہر ہفتے ہوئے بولیں:

یاددا تا جوش امیں تو ملائیں کر دیتی تھی۔ یہ بالآخر اسی ہے۔ میں سوچ رہی تھی کہ تم نے صحیح جھنٹ کی ہے اس کے بدلتے میں تھیں کیا تھنڈے کر دوں۔ یہ بالآخر لے لو اور میں تھیں نی گیند بھی خرید کر دیتی ہوں۔" پھر خالد کو کہا کریں یہ باتیں سن کر موئی دوبارہ ان سے بغل گیر ہونے کی خوشی رہا ہے۔ وہ وقدم پہنچے ہوتے تھے۔

"ٹھانٹوں پیچے۔ مجھے پیچے نہ گراوین۔ اب کھانے کا وقت خردیک ہے۔ بہت بہت ٹھری۔ اب اپنا بیبا لو اور گھر لے جاؤ اور یہ پیسے لے لو اور اس سے تھی گیند خرید لینا۔ میں دعا کروں گی کہ تم اس ملے سے زیادہ سے زیادہ رنز بناؤ۔" موئی نے خالد سے اچھا کھیلنے کا وعدہ کیا۔ اس کا چیزہ دخوشی سے تمہارا ہاتھ لیکن دیکھنے والا تو معاذ کا چیزہ تھا جو بہت جھان جھان ہے۔

"یہ بہت شاندار بیبا ہے اور دخوش قسم پتوں کو ملتا ہے۔ آج شام کو دیکھتے ہیں۔ اس پیچے سے تم کیا معرکہ مارتے ہو۔ مجھ میں بھی دیختے رہ گئے ہیں۔" شام کو موئی نے اپنے پیچے پیچے سے گیند بازوں کی خوب دھنیلی کی۔ اس نے معاذ جیتنے رنز بناؤ اے۔ معاذ بولا تم تھیں کھیل رہے ہو اور خیال رکھنا کر میں بھی تمہاری کا کر کر دی آج شام جیسی ہی ہو۔ مجھے نہیں معلوم تھا بہت کہاں سے لیا ہے لیکن یہ ہے بہت شاندار۔ "صرف موئی کی اونی کوئی تھا کہ بلا کہاں سے آیا ہے۔ وہ بہت خوش تھیں کیونکہ ان کے بیٹے نے سعادت مندی سے اُن کا کہنا مانا تھا۔ کہانی پڑھ کر مجھے بھی لگتا ہے موئی بہت اچھا کھیلے گا آپ کا کیا خیال ہے؟

☆.....☆.....☆

”آپ پلیز مجھے لے جائیں، میں کھلوں گا نہیں صرف دیکھوں گا۔“

اس نے اپنے بڑے بھائی کو منا لیا اور پھر وہ اسکواش کورٹ پا قاعدگی سے جانے لگا۔ اس کے ابوواب بھی معلوم نہ تھا۔

☆.....☆

بڑا بھائی بریک کے لیے جب کورٹ سے باہر گیا تو وہ آدم سے پڑتے ہوئے اسکواش سیٹ انعامات کیلئے والی جگہ واٹل ہوا۔ پھر ان شاش کھیلتے وہ خوش ہو رہا تھا۔ اب یہ بھی معمول ہی نہ گیا تھا۔ بھائی جب بھی جاتا تو وہ وہاں کھیلنے لگتا۔ اب وہ بہتر کھیلنے لگتا۔ ایک دن یوں ہی کھیلتے کھیلتے اس کی نظر گلری کی طرف بھی تو وہاں والد صاحب کفرے اسے دیکھ رہے تھے۔

اب وہ اور اس کے والد آئنے سامنے پڑتے تھے۔

”کتنا وقت ہو گیا ہے کورٹ میں کھیلتے؟“

”تمہارے دن ہی۔۔۔“ آواز میں صورتی واضح تھی۔

”بہت شوق ہے کھیلنے کا؟“

”بہت زیادہ۔“

آنکھوں میں پچک اتر آتی۔

”لیکن جسمیں معلوم ہے کہ تمہیں بہت زیادہ محنت اور مشقت کرنی پڑے گی۔“

والد نے 13 سال پہلے کوآخری مرتبہ ذرا راتا چاہا۔

وہ ایسے خاندان میں پیدا ہوا جہاں ایک سے بڑھ کر ایک بھر بن اسکواش کے کھلاڑی موجود تھے۔ لیکن پیدا کش کے وقت سے منے کا مسلسل دریش رہا جس کی بدالت وہ تھا کچھ بول بھی نہ پاتا تھا۔ اس کی امید قائم تھی اور ہر ماں کی طرح وہ بھی اپنے بیٹے کا علاج چاری رنگے ہوئے تھی ساتھ ساتھ گھر جاؤ کے بھی کرتی رہتی۔

8 سال کی عمر میں جا کر جب منے کا گل شروع ہوا تو آہستہ آہستہ وہ بولنے لگی۔ جیسے جیسے وہ بڑا ہوتے لگا اپنے والد اور بھائی کو کھیلتے دیکھ کر اس میں بھی کھیلنے کی خواہش پیدا ہونے لگی۔ بیماری کے باعث ڈاکٹر نے اسے ہر قسم کی جسمانی مشقت سے دور رہنے کا کہا تھا۔

والد بھی اپنے بڑے بیٹے سیست چھوٹے بیٹے کو بھی اسی کھیل میں آکے بڑھتے دیکھنا چاہتے تھے کہ ان کرخون میں اسکواش شاہزادیکن اپنے چھوٹے بیٹے کی زندگی اور صحت انہیں زیادہ عزیز تھی۔ اس کے شوق کو سمجھتے ہوئے اسے کھلوٹے والا اسکواش سیٹ لا دیا گیا تھا۔ وہ بھی گھر کی کوئی خالی دیوار کی کھیلانے بھجوں۔

باپ نے اسکواش کورٹ جانے سے بھی روک دیا تھا۔ بڑا بھائی پوری لگن سے کھیلتا رہا اور اپنے جنم پہنچپے کے لیے تیاری کر رہا تھا۔

”بھائی میں نے بھی اسکواش کورٹ دیکھا ہے۔“

”اُس نے بڑی امید سے بھائی کو کہا۔“

”لیکن اب نے تمہارا وہاں جانا منع کیا ہوا ہے۔“

بالج نہو ڈیپین

فغمہ کھیل



”میں کر دوں گا۔“

”جھیک ہے پھر کل سے تمہاری لفڑی مٹن ہو گی۔“



آج اس کے بھائی کی گئی تھی ہے دیکھنے وہ بھی آیا تھا۔ بھائی اور والد کا خواب تھا انہیں برٹش اور ان جنپیں دیکھنا جس کے لیے بھائی نے بھی بہت محنت کی تھی لیکن یہ وہ وقت تھا جب دنیا ان کے لیے الٹ گئی تھی۔ دل تھیں کرنے کو تیرند تھا دماغ سن ہو رہا تھا۔ گیم کے دوران ہی بھائی کو دل کا درودہ پڑا اور وہ ان سب سے دور پڑے گئے۔

اس کے بعد اس نے بھی کھینچا چھوڑ دیا، دل ایک دم سے اپنے جون کو بھول گیا تھا۔

”اوہ رآ ک۔۔۔“

والد نے ایک دن اپنے پاس بایا۔

”جی ابو۔“

”تم جانتے ہوئے اسے جنپیں بتانا سیر اور تمہاری ماں کا خواب تھا۔ میں اپنے بعد اسے جنپیں بننے دیکھ کر بہت خوش ہوتا اور وہ خوشی گھنے خود کو فراہی ملنے سے بھی زیادہ ہوئی تھی۔ لیکن اس کے جانے کے بعد خواب نواب ہی رہ گیا، مگر میں اسے صرف خواب نہیں رہنے دیتا چاہتا۔ اس خواب کی تجسس میں تم سے چاہتا ہوں۔“

”ابو میں اب یہ کھینچنے بھیں کھینچتا چاہتا۔“

”تمہیں کھینچنے ہو گا، اپنے بھائی اور باپ کے لیے۔۔۔ دو بھولومت یہ تمہارا جنون تھا۔“



14 سال اس پیچے نے دن رات محنت کا آغاز کر دیا۔ ہر پیدائش میں سے زیادہ 60 درج آؤت کر رہا۔

آن ٹھنڈنے کا تاریخ میں اس کے دن کا حصہ ہی گئی اور وہ دن بھی طلوں ہوا جب وہ دنیا کا کم عمر اسکواش جنپیں ہی گیا۔

اس وقت دنیا کا سب مشہور اسکواش کا کھلاڑی جیف ہٹ 8 مرتبہ گلارڈ برٹش اور پہنچنے والیں جیت کر اپنے نام کیا تو سب جیت سے اس جنپیں کو دیکھنے لگے۔

جیف ہٹ نے جب اسے مہارک بادوی تو دہ کہنے لگا۔

”میں نے آپ کا کاریکارڈ توڑ دیا اب مزید کیا دیپھی باقی رہ جاتی ہے۔“

”تو بل غرزو دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں۔“

اس نے بھی اپنے نو دس نائل پر اتنا فیں کیا بلکہ اس 10 مرتبہ برٹش اور پہنچنے والیں خود کو جتو اکر کر تاریخ رقم کی۔

گیم کھینچنے اور جیتنے کی جنگوں اس قدر تھی کہ وہ مانا تھا۔ دنیا میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے جو نا

عبد گزر گئی

النصار احمد معروفی (بھارت)

وقت خوشیوں کا ہو یا غم کا ہو
مرہنی کا یا سُم کا ہو
روکے سے کہاں رکے گا وہ؟
این رنار سے چلے گا وہ
مید کا انختار کتنا تھا
سب کا دل وقار کتنا تھا
مید آکر گزر گئی ایسے
تازہ جموں ہوا کا تھا جیسے
مجھے نے آکے ہم کو میڈی دی
اب رہی مید اور نہ ہی میڈی
ختم اب چھٹاں ہو گئی ساری
مغل ہیں پڑھوڑہ اور پھلوڑی
وقت سرگوشیں یہ کرتے ہے
وقت شائع کہاں پر کرتا ہے
چیز ہر ایک آئی جاتی ہے
ناسوا رب کے سب ہی قاتی ہے

Squash
Champion

اپنے گھر کے گیٹ پر سانس لایا تھا۔
”تمہیں کس نے کہا تھا کہ جن بھتوؤں اور چیلبوؤں کے کیس لیئے شروع کر دو؟“
اپنے گھر پہنچنے والی نایاب بچلے ہوئے سانس کے ساتھ اس پر وحاظی تھی۔
”بھجے کیا یہ تھا کہ اسی چیلبوؤں نکل آئیں گی۔“

شیر دل نے اپنا سانس بحال کرتے ہوئے کچھ کمزور سے لبھ میں اس سے کہا تھا۔
”وہ ہمارے پیچے تو نہیں آ جائیں گی؟“

احد نے خوفزدہ ہو کر پلت کر اس سڑک کو دیکھا جس کے آخری
سرے پر یونہ کا گمراہ۔

”I don't think so“
”جیسیں... ہم نے تو کچھ کیا ہی نہیں ابھی تو پھر کیوں
آئیں گی۔“ شیر دل نے گزاردا کر احمد کو وضاحت دی
اور وہ وضاحت بڑی بند آواز میں تھی یوں جیسے وہ
وہاں موجود ہر غیر مریٰ مخلوق کو یہ نہ چاہتا تھا۔

”اہم یہ کیس نہیں کر رہے۔“ نایاب نے فیصلہ سنایا۔
”اوہ شاہین جن بھتوؤں کا کیس حل نہیں کرے گی۔“

”بالکل ہیک!“ احمد و شیر دل دونوں نے بیک وقت کہا تھا۔

”آس رات وہ تمیں کئی بار سوتے میں جا گے اور نیند میں بھی وہ عجیب ٹھکلوں
کی بر گدکی چیلبوؤں دیکھتے رہے۔

وہ تمیں بیک وقت فریز ہو گئے تھے۔ یونہ نے آس کریم کھاتے ہوئے رُک کر
بیٹے تسلی کرنے والے انداز میں اس کھوپڑی کو دیکھا اور پھر مطمئن ہو کر قاتھان انداز میں
آن تمیں کو دیکھتے ہوئے کہا:

”دیکھا! اب یہ مت کہنا کہ یہ کھوپڑی بھی کسی پر نہے کی ہے۔“

اس نے شیر دل کا بیٹے مذاق ازیا تھا اور پھر وہ آس کریم کھاتے کھاتے خٹکا۔

”یہ تمیں کے پہرے اتنے پہلے کیوں ہو رہے ہیں؟“ شیر

دل نے نایاب اور احمد کو دیکھا اور پھر اپنے پاؤں سے بس
ایک ڈینہ دفت دو پڑی اسخون آلو کھوپڑی کو دیکھا
اور پھر ایک بھی لفظ کے بغیر اس نے دوڑ لگادی تھی۔
اور اسے بھاگتے دیکھ کر نایاب اور احمد بھی وہاں نہیں
رکے تھے۔ وہ اس سے بھی زیادہ سرپت بھاگے
تھے۔ یونہ آس کریم چھوڑ کر انہیں آوازیں دیتے
لگا تھا مگر ان میں سے کسی نے ایک لمحے کے لئے بھی
پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور جب وہ اس کے لام سے غائب
ہو گئے تو یوں طالنے بڑے پر اسراز انداز میں مسکراتے ہوئے
اوپر مند کر کے جیسے آواز لگائی۔

”آ جاؤ یہ تھی ہیں۔“ بر گدکے درخت کی شاخوں میں حرکت ہونے لگی اور پھر کوئی

درخت سے اترنے لگا۔

”ان کا تعارف؟“ شیر دل نے اگلے دن یونہ کے ساتھ آتی ہوئی ہادیہ کو دیکھ کر

شیر دل، نایاب اور احمد یونہ کے گھر سے بھاگتے ہوئے لگا تھے اور انہوں نے

سانپا اور سپرے

دوسری قسط

پوچھا۔ جو سلسلہ مونگ پھلی کھاتے ہوئے ان تینوں کو گھور دی تھی۔
”تو تم تینوں کیا ہو؟“ ہادیہ نے اسی انداز میں جواب دیا۔ چند لمحوں کے لئے شیردل
لا جواب ہو گیا۔

”هم شاہین کے نام بھدھ جس بھر جیں۔“

”مسڑ شیردل میں اور یو ٹا چھی طرح جانتے ہیں کہ تم تینوں کے ملاوہ شاہین میں
اور کوئی نہیں ہے اور شاہین تم نے بنائی ہے ورنہ پاکستان میں کہیں شاہین کا کوئی وجود نہیں
ہے۔ اور یہ ساری باتیں ہم پرے اسکوں کو بتا دیں گے اس کے بعد ہم پرے پھل کے پاس
جاں گے اور انہیں بتائیں گے کہ تم لوگ پھول سے پیے لے کر ان کے ساتھ فراہ
کر رہے ہو۔“ ہادیہ نے موچک پھلی کا لفاف دیا پنی ثرت کی جیب میں چب کر کے رکھتے ہوئے
آن تینوں کو دھمکا دیا اور شیردل اور اس کے ساتھیوں کے ہدوں تے دین مکمل کی تھی۔

”هم نے فیکس واپس کر دی ہے اور ابھی کسی سے کوئی یہیں نہیں لیا۔“ تایاب نے
ہکلتے ہوئے ہادیہ سے کہا۔

”اور اگر تم لوگ تینیں اپنے ساتھ شامل نہیں کرو گے تو بھی بھی کوئی کیس نہیں
کر سکتے۔ شاہین شروع ہونے سے پہلے یہ فتح ہو جائے گی۔“ اس ہاریہ پوچھتا تھا۔
شیردل نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا پھر اس نے سر کھجاتے ہوئے ہادیہ سے کہا۔

”ایک کیا خاص بات ہے تم دنوں میں کہ ہم تم دنوں کو شاہین میں شامل کریں؟“
”ہمارے پاس Lab 1 ہے جو تم تینوں کے پاس نہیں ہے اور ہر بڑی اور ابھی
جاسوی تنظیم کے پاس ایک Lab ہوتی ہے۔“ ہادیہ نے بڑے اطمینان سے کہا اور شیردل
سمیت ان دنوں کے من کھلے کے کھلے رہ گے۔

”کیا ہم Lab دیکھ سکتے ہیں؟“ شیردل نے بے اختیار کہا۔
”آف کورس۔“ ہادیہ نے کھدھے جھک کر جواب دیا۔
.....

”تو یہ چیز برگذر کی چڑیوں کا تھا اور نہ تھا۔“ ہادیہ نے بڑے فخر یا انداز میں ان تینوں
کو اپنے گھر میں اپنی Lab کے ایک میز پر رکھ دیاں اور کھوپڑی ادا کھاتے ہوئے کہا۔
وہ تینوں ایک دوسرے کامن دیکھنے لگے۔

”مطلوب؟“ تایاب نے اگھنے ہوئے ان خون آلو ڈیوں اور کھوپڑی کو دیکھنے
ہوئے کہا۔

”مطلوب یہ کہ برگذر کوئی چڑیوں نہیں صرف ایک چڑی تھی ہادیہ جس نے اور
سے باری باری تم لوگوں کو ادا نے کے لئے یہ ساری چیزیں پھینکیں۔“

یو ٹھا نے فتحاً انداز میں ان تینوں سے کہا جن کے چھرے اب غفت سے سرخ
ہو رہے تھے۔

”لیکن تم لوگوں نے یہ سب کیا کیوں؟“ شیردل نے پکھا لگتے ہوئے پوچھا۔

”پیری کا اس فیوار Neighbour ہیں اور پیری فریب ہی۔“ یو ٹھا نے ہادیہ کی
طرف دیکھتے ہوئے شیردل سے کہا۔ وہ شیردل کے بڑانے پر بریک میں ان سے ملنے آیا تھا۔
”پچھہ ذاتی جو ہات کی وجہ سے ہم آپ کا کیس نہیں کر سکیں گے۔“ شیردل نے
فیکس کا لفاف یو ٹھا کے سامنے رکھتے ہوئے بڑے ہائل سے انداز میں کہا۔
یو ٹھا نے افادہ کھول کر روپے گئے۔

”50 روپے کم ہیں۔“ اس نے فوراً سے پیش کیا۔
”وہ پہلے ہی کم تھے۔ اس کا انداز یا قائم تھے۔“ تایاب نے دامت پیتے ہوئے
یو ٹھا سے کہا۔

”اوہ ہاں مجھے یاد آگئی۔“ یو ٹھا نے کہا اور لفاف درجیب میں رکھ لیا۔
”پہ آپ کیس کیوں نہیں لے رہے؟ کیا آپ ذرگے ہیں؟“ اور کیا شاہین بھتوں
اور چڑیوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور۔“ احمد نے بڑی ناگواری سے ہادیہ
کی بات کاٹی تھی۔ جس نے یہ دم ان پر سوالوں کی پوچھا جائز کر دی تھی وہ ساتھ ساتھ کسی
بندگی رفتار سے مونگ پھلی کے دانے بھی پھاٹکتی جا رہی تھی۔

”ہم آپ کے کسی سوال کا جواب دینے کی ضرورت نہیں رکھتے۔ یہ کیس سڑکو ٹھا کا
تھا اور ہم صرف انہی سے بات کریں گے۔“

”اصل میں برگذر کا آرڈھاورڈت ان کے گھر کے لان کی طرف ہے اور اس کیس کی
آدمی نہیں ہاں ہادیہ نے دی ہے۔“ یہ دم یو ٹھا نے پکھو گز بڑا کر ان سے کہا۔

شیردل نے احمد اور تایاب کو دیکھا اور پھر اس نے یو ٹھا سے کہا۔
”Whataever آپ اب جاسکتے ہیں۔“ ہادیہ نے لفاف سے مونگ پھل کا
آخری داشتہ میں ڈالتے ہوئے لفاف کو ابھی طرح جھاڑ کر بلکہ لفاف کے اندر منہ
ڈال کر دیکھا کہ کہیں اس کے اندر کوئی داشتہ نہ کیا ہو۔ پھر اس نے انگلی سے لفاف کے
اندر لگا ہوا ٹک اور مصالحہ چاننا شروع کر دیا۔

شیردل، تایاب اور احمد نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ یہ سمجھی اور غیر مہذب ہونے
کی احتہاجی۔

”ہم دنوں یہاں سے اسی صورت جائیں گے جب تم تینوں میں اپنے ساتھ
شاہین کے چھتے اور پانچھیں بھر بنا لو گے۔“

ٹنک چائٹے کے بعد جو جملہ ہادیہ کے منہ سے لکھا تھا اس نے تینوں کو ہکایا کر دیا تھا۔
”مطلوب؟“ تایاب نے ہونٹ سکھا کر کہا۔

”مطلوب یہی ہے کہ ہم سمجھی شاہین میں کام کرنا یا جائیتے ہیں۔“ ہادیہ نے کہا۔
”شاہین کی حکیم پھول کو پانچھیں بناتی۔“ شیردل نے کھٹاک سے کہا۔



"ورٹ؟" بادیب نے چھکے انداز میں کہا۔

"ورٹ؟" یو جھا اور بادی نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر بادی نے نیچل پر ہاتھ مارا۔ وہ تینوں جہاں کھڑے تھے، وہاں ایک بارکس کھلا تھا اور سات آنچھے موٹے موٹے پچھے اُن پر چڑھ دوڑتے تھے۔ اُن تینوں نے بھاگتے ہوئے دروازے سے لفٹکی کوشش کی تھی اور دروازہ لاکٹھا۔ یو جھا اور بادی اب بڑے طہیتان سے کمرے میں کھڑے تھے اور وہ تینوں جھیلیں مارتے ہوئے چھوپوں کے آگے پہنچے دوڑ رہے تھے اور جو بھی پڑھا اُن کے پاس آ جاؤ اور ان پر آجھل کر چڑھ جاتا۔

"اچھا، چھا! خیک ہے۔" بھاگتے ہوئے شیردل نے اُن سے کہا۔

"تم شامیں ہو آج سے شاہین میں۔" بادی یا اور یو جھا نے Hurrah کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ high five کیا اور پھر بادی نے ایک اور بُٹن دبایا۔ کمرے کے ایک کونے میں ایک اور بارکس کامٹ کھلا اور اس میں سے عجیبی خوشی کے ساتھ کچھ آوازیں آنے لگی تھیں۔ اُن چھوپوں نے یک دم اُن تینوں کی طرف بھاگتے ہوئے اُس بارکس کے کھلے بند میں گھسنے شروع کر دیا تھا اور ایک منٹ میں وہ اُس بارکس کے اندر تھے اور آخوندی پڑتے کے اندر جاتے ہی بادی نے بارکس بندر کر دیا تھا۔

"ہم اس کا بھی بدل لیں گے۔" پھولے ہوئے سانس کے ساتھ واحد نے ایک بار پھرا اپنی شرمندگی چھپاتے ہوئے کہا تھا۔

"بُدل لیما بُری بات ہوتی ہے۔" بادی نے طہیتان سے اُن تینوں سے کہا جواب میز کے ایک طرف کھڑے اپنے کپڑے ٹھیک کر رہے تھے۔

"تو ہم آن سے نہم شاہین میں ہیں تا؟" یو جھا نے آگے بڑھ کر شیردل کی طرف پا تھبز حالتے ہوئے کہا۔ شیردل نے پا تھملاتے ہوئے کہا۔

"بس یو جھا! تم شاہین four ہو اور بادی تم شاہین five۔" اُس نے خوری طور پر انہیں اُن کے نمبر زیبی بتا دیئے تھے اور یو جھا اور بادی دو توں کی خوشی کا میئے کوئی خلاں نہیں

"تاکہ ہم جان سکیں کہ شاہین کی اصلیت کیا ہے۔" بادی نے طہیتان سے کہا۔

"اور اس میں شامل ہو سکیں۔" یو جھا نے شیردل کے گھرستے ہوئے جو دریکھتے ہوئے کہا۔

"پر تم نے یہ سب بنایا کیسے؟" احمد نے ذرتے ذرتے کھوپڑی کو چھو کر دیکھا۔

"خوبی سے گوشت کا لاؤ۔ اُسے پہلو۔ پھر میرے اچھل کریں تو بُر کران بُڑیوں پر گلوکے چپکا دو۔" بادی نے اس طرح طریقہ ہٹانا شروع کیا جیسے وہ کوئی کھانے کی receipe تھی۔

"اوہ یہ بُڑیاں اور کھوپڑی کہاں سے آئیں؟" شیردل کو تجویز ہوا۔

"پالنک کی جیسی بازار سے سب ملتا ہے۔ میرے پاس ہر طرح کی بُڑی ہے۔"

بادی نے خوبی انداز میں کھلتے ہوئے کمرے کی ایک الماری کھوئی۔ وہ واقعی طرح کی بُڑیوں سے بھری ہوئی تھی۔

"اُس پیز کا بدل لیں گے ہم۔" احمد کو اپ بے حد شرمندگی اور بُڑک محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اُن دو پیکوں کے ہاتھوں اٹوہن گئے تھے۔

"ہم نے کیا کیا؟ تم بُوگ خود بھاگے تھے۔" یو جھا نے جھٹ سے کہا۔

"بھاگ گئے تو ہم سرف ایکسر سائز کے لئے تھے۔ ہم تینوں کو جا گلگ کا شوق ہے۔"

شیردل نے چھیسے اپنی نہم کا پر دوڑ کھنکی کوشش کی۔ یو جھا اور بادی نے اپنی پُٹی چھپائی۔

"لیکن تم لوگوں کی Lab پینڈ آئی ہے اور شاہین کو ضرورت ہے ایک Lab کی تو ہم غور کر سکتے ہیں تم دوپوں کو شامل کرنے پر۔" شیردل نے بخارہ مٹاڑن ہونے کی او اکاری کرتے ہوئے کہا۔ لیکن اندر قل اندر وہ اُن دوپوں سے بے حد مرغوب ہوا تھا۔

"خورنگیں کرو۔ گے تم ابھی فیصلہ کرو گے آر یا پار، ہم شاہین جیں یا نہیں۔" بادی نے بے حد شرمندگی سے کہا۔

آن کے لیپ ٹاپ پر آئے والی وہ معلومات اب automatically تھیں ہوئے۔ شروع ہو گئی تھیں۔ جب آن کی اسکرینز صاف ہو گئی تو کمرے کی اس دیوار میں نمودار ہوتے والی وہ اسکرین جس میں chief نظر آ رہا تھا وہ بھی تاریک ہو گئی تھی۔ وہ پانچوں ڈبل ایجنسٹ کے طور پر کام کر رہا ہے۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ Skulls کچھ لوگوں کو بہت جلد پاکستان بھیج رہا ہے لیکن کب، کہاں، کیسے وہ عمل آ رہوں گے ہم نہیں جانتے اور میں اس یہ جانتا ہے کہ دشمن کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔"

"Yes chief"

آن پانچوں نے یہی وقت کہا تھا۔ وہ پانچوں اب اپنے لیپ ٹاپ کھو لائیں پر وہ معلومات دیکھنے لگے تھے جو آن سب کی اسکرینز پر اکھر رہی تھی۔ آن کے چہرہ پر چڑھتے ماںک میں سے صرف آن کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں اور وہ آنکھیں عقاب کی آنکھوں کی طرح تجزیہ اور گہری تھیں۔ پانچوں نے یہی وقت پڑھا ختم کیا تھا اور پھر یہی وقت اسکرین پر نظر آئے والے اس شخص کو دیکھا ہے وہ chief کہا رہا ہے تھے۔

"We are ready" - "آن پانچوں نے chief سے کہا تھا۔

ایک درستے سے بات کے بغیر اپنی کرسیوں سے اٹھتے تھے اور کمرے میں موجود پانچ دروازوں سے باہر نکل گئے تھے۔ ہر دروازے کے اوپر ایک عقاب کا logo تھا۔ ایک عقاب کی تھی ہوئی گروں اور انھی ہوئی چوچی کا لوگو آن کے جانے کے بعد دروازے خود کا رطیقہ سے لاک ہوئے تھے اور پھر پانچوں دروازوں پر بناؤ دہ لوگوں پر تھے لگا تھا اور اس لوگو کے تیچے شاہین کا نام نظر آئے تھا۔

.....*

"تو ہم شاہین five ہیں۔" اگلے دن اسکوں کے گاؤں میں وہ پانچوں بیٹھے اپنی حصیم کے حوالے سے بات چیت کر رہے تھے۔

شیر دل نے کہنا شروع کیا تھا:

"اور ہم سب کو اپنا اپنا نمبر بھی پڑھتے ہیں۔ میں شاہین ون ہوں، نایاب شاہین تو، احمد شاہین تھری اور۔" ہادی نے اسے بات تکمل نہیں کرنے دی۔

"یو چھا شاہین four اور میں شاہین five۔" نایاب اور احمد نے کچھ ناخوش انداز میں اسے دیکھا۔

"اس حصیم کا پہلا اصول یہ ہے کہ جب میں بات کرے گا تو کوئی اور بات نہیں کرے گا۔"

ہادی کو فرما دیا اندازہ ہوا تھا کہ شیر دل کا اشارہ اس کی طرف تھا۔

"Sorry Boss" - "اس نے فرمایا۔"

"Accepted" - "شیر دل نے کہا۔"

"They are cool..... really cool" - "رہا تھا۔"

ہاں سے واپس جاتے ہوئے شیر دل نے نایاب اور احمد سے کہا تھا ہو نو بھی مر جو بھی تھے۔ ہادی اور یہ Lab میں وہ جو کچھ کچھ آئے تھے انہیں اچانک ہی لگ رہا تھا یہی شاہین سارٹریک ہی بن گئی تھی ان دونوں کے آجائے پر۔

.....*

وہ ایک بورڈ روم تھا۔ جو شیم ہاریک تھا اور ہاں میز کے گرد ماںک پسے پانچ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور آن سب کے سامنے اس کوں میز پر آن کے لیپ ٹاپ تھے۔ وہ پانچوں اپنے اپنے لیپ ٹاپ پر کچھ کام کرتے تھے میں صرف تھے۔ جب کمرے میں ایک پوری دیوار یہیک دم کی سکرین کی طرح رہیں ہوئی تھی اور ہاں کری پر بیٹھا ہوا ایک اور نقاب پوش نظر آئے تھا۔ پانچوں یہیک دم اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے اور انہوں نے یہیک وقت اپنے لیپ ٹاپ کی اسکرین ڈاؤن کی تھی۔

چند ری گھلوں کی ادائیگی کے بعد اس نقاب پوش نے جسے وہ پانچوں chief کہ رہے تھے۔ آن سے کہا تھا۔

"آن کی میٹنگ بہت ایرانی میں بیانی کی ہے اور بہت بڑے نظرے کے بارے میں ہے۔"



Skulls is back in Pakistan

اور اس بارہو پاکستان میں کوئی یا ہے weapon استعمال کرنے آرہی ہے۔ تم پانچوں کے لیپ ٹاپ میں اس وقت اس حوالے سے کچھ معلومات آرہی ہیں۔ ابھی تک ہادی سے پاس اس سے زیادہ معلومات نہیں ہیں اور یہ بھی Bravo کی وجہ سے میکن ہوا جو اس وقت پاکستان میں operate ہوئے والی دشمن طلب کی اس حصیم کی مقامی قیادت کے ساتھ

"Good وہ بھی رکھوں۔" میرے پاس ایک پیک پیک ہوتا چاہیے جس میں ہمارے gadgets ہونے کا بھائی ہے۔ کل ہیں جو مختلف کام آتے ہیں اور میری میک اپ کٹ ہے جس کا سامان گیٹ اپ change کرنے کے کام آتا ہے۔ "ہادی نے بتانا شروع کیا۔

"Wow تم یہ سب رکھ لو۔" شیردل نے فوراً کہا۔ اور میرے پاس ایک اکٹل وچہ کا سیٹ ہے۔ جو ایک درمرے سے connected ہیں، میں اور گھر یا ان مکانوں کی طرح ہوں۔ ان میں ریڈی یو بھی ہے اور compass بھی اور Walkie Talkie کی طرح استعمال ہو جاتی ہے۔ "یو جھا نے بتا یا تھا اور باقی چاروں اور ایسا یہ جذبہ ہو گئے تھے۔

"ویری گل بوجھا ایسیں ایک درمرے سے ہر وقت رابطے میں رہنے کے لئے ابھی کوئی جیز چاہیے جو کوئی پکڑ سکے۔" شیردل نے کہا تھا۔

"Uff! ہم کتنے 5000 لگ رہے ہیں ابھی سے۔" ہادی کو وہ سب بتاتے ہوئے یک دم بھیب سی خوشی ہوئی۔ اس سے پہلے کہ شیردل پچھہ کہتا اسکول کے برآمدے سے شور کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ انہوں نے بہت سارے پچھوں اور پیچرے کو گراڈنگ کی طرف بھاگتے دیکھا۔

"کیا یہاں پہنچا ہاں؟" شیردل نے اسکول کی عمارت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ پانچوں کھڑے ہو کر قدر یا بھاگتے ہوئے وہاں گئے اور ایک پیچے سے شیردل نے پوچھا۔

"کالاں میں سماں پ ہے۔ ایک بہت خطہ ناک اور زبردست اسماں پ۔" باقی آئندہ

"ہمارے پاس ایک پیک پیک ہوتا چاہیے جس میں ہمارے gadgets ہونے چاہیے۔" شیردل بتاتے لگا تھا۔

"Great" تایا ب نے واحدی۔

"لیکن ہمارے پاس تو کوئی نام gadgets نہیں ہیں۔" احمد نے اعتراف کیا۔

"اب ہنا بھیں گے یا لا بھیں گے۔" یو جھا نے فوراً کہا۔

"ہم نے بہت سارے online ملکوں نے ہیں۔" ہادی نے ساتھی اطلاع دی۔

"کچھ basic چیزوں سب کے پاس ہونی چاہیے۔" شیردل نے اعلان کرتے ہوئے کہا۔

"ایک رجی، لائٹر، پا تو غلبی، Notebook، میلن۔" شیردل جیز میں گوارہ تھا اور باقی سب اس کا وفت کر رہے تھے۔

"مارچ، سبل، قیچی، پانی کی بولی، جی گم، جیپس، پاکیٹ، بیکٹ، جوس بھی ڈال لو۔" احمد نے یک دم کہا۔ شیردل نے اسے گھور کر دیکھا۔

"اسکی پارٹی پر نہیں چاہے میں پر اور کہہ کر solve کرنے کے لئے جاتے ہوئے یہ بیگ لے کے جا بھیں گے۔" شیردل نے بتا یا تھا۔

"میرے پاس ایک ری کی بیڑھی ہے اور ایک چانیوں کا گچھا جس سے ہر لامکھل جاتا ہے وہ بھی رکھوں؟" احمد نے یک دم کہا۔

"ہاں۔"

شیردل کو idea پیدا یا۔

"اوہ میرے پاس ایک الحکمری ہے اور ایک بچھوٹی تیر کمان۔" تایا ب کو فرانخیاں آیا۔



”رسیں؟“ جارج نے اپا نک کہا تو براؤن کوٹ والاٹک کر کیا تکریچھے مرا جسیں۔

”آپ بہت بھیب ہیں۔ میری محنت سے بچ کی لکڑیاں بھی کرو دیں اور اب انھیں اخانے میں میری مدد بھی نہیں کروارہے ہیں۔“ لیز اگل امیری مدد کریں۔ میں نے شام سے پہلے یہ لکڑیاں بھیب مددی کے الاوئیں دانی ہیں وہ آج کی رات بچھے اور میری بیماریاں کو جھوکا سونا پڑے گا۔“ جارج نے پریشانی سے کہا تو براؤن کوٹ والے نے پلاٹ کروکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے نی تھی۔ اس نے فتحی میں سرہماں اور پلاٹ کر تیزی سے بجا گئے تھا۔

جارج نے اپنے سر پر رکھے پرانے ہیٹ کو ٹھیک کیا اور بڑا ہاتھا ہوا جلدی سے یقینے گری کیا۔ لکڑیاں اخانے لگا۔ کچھ دور گئے درخت کے پیچے چھپے براؤن کوٹ والے شخص نے سرہماں لکڑیاں اور پھر اپنی ایک انگلی کا رخ جارج کی طرف کر دیا کیونکہ وہ خود لکڑیوں کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

تھا تاریخی تکمیل کی تیز شعاع تیزی سے آگے بڑھی اور زمین سے لکڑیاں اخانے کا رخ کی تیزی سے آگے بڑھی اور جارج کی تیزی کی ہوئی لکڑیوں پر رکھنے لگی۔ جارج کا رخ دوسرا سوت تھا۔ جارج جیسے علی ہاتھ میں کپڑا لکڑیاں اخانے کر جیچھے مرا تو چوک کیا۔ زمین پر کھمری ساری لکڑیاں ایک جگہ بچھیں۔

جارج نے جیوانی سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر کپ کے اندر انگلی ڈال کر پاناس کھو گیا۔

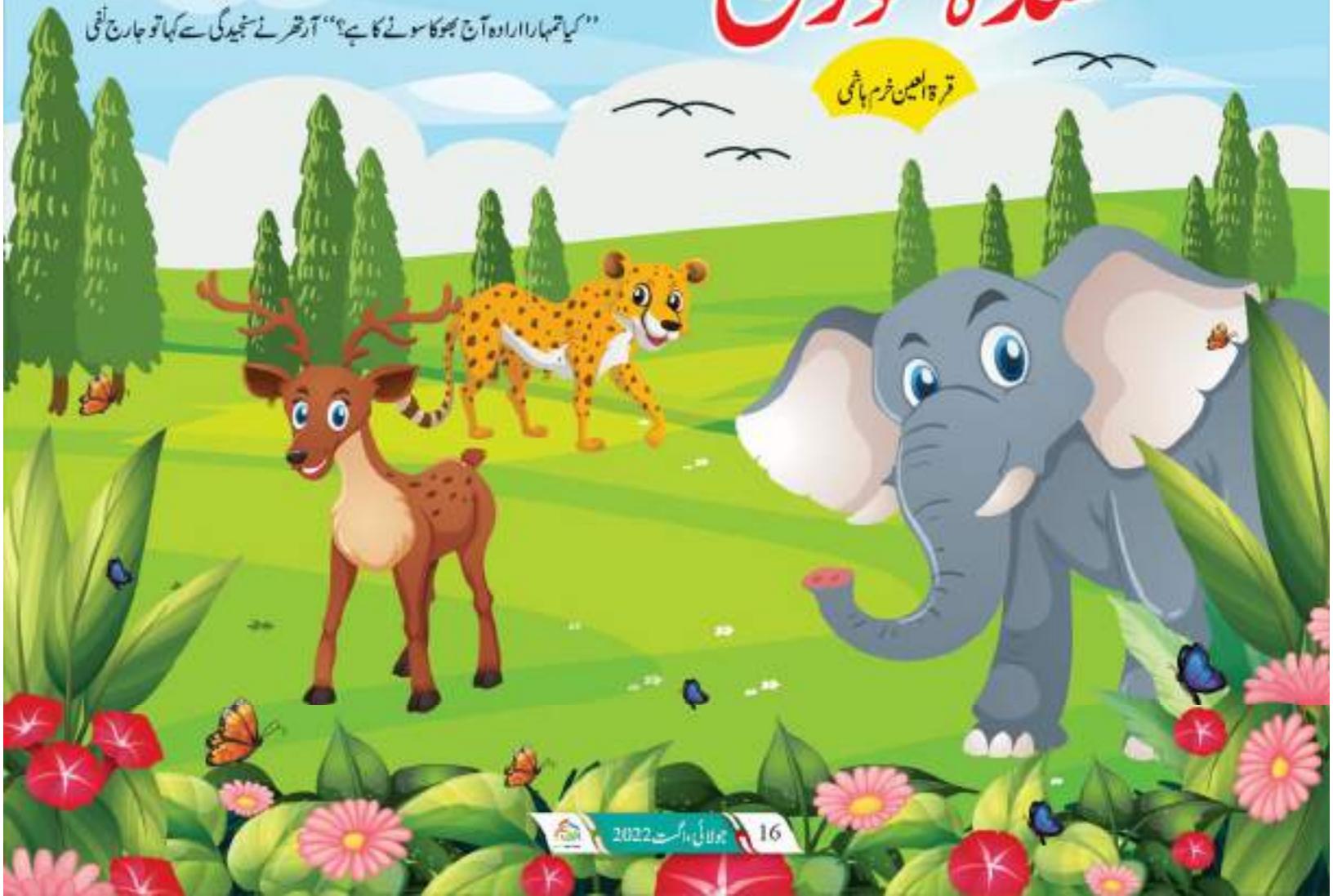
”یہ سب میں نے کب اخانے؟“ جارج بڑا ہیا۔ اسی وقت سامنے سے تیز دھار کھاڑا ہا تھیں پکڑے، آر تھر آیا اور جارج کو دیکھ کر جیران رہ گیا۔

”کیا تمہارا ارادہ آج بھوکا سونے کا ہے؟“ آر تھر نے سنجیدگی سے کہا تو جارج فتحی

براؤن رنگ کا پرانا اور تختہ لائگ کوٹ پہنے، بڑے بڑے قدم اخھاتا ہوا، وہ تیزی سے اونچے یقینے راستوں پر بھاگ رہا تھا۔ یہ فضا پہاڑی علاقہ قدرتی سن سے مالاں تھا تکرے سے بیہاں کے حسن سے کوئی لچکی نہیں تھی۔ گھنے درختوں کے یقینے گرے خشک پتے اس کے بھاری قدموں کے یقینے گرے کر بلکل اسی آواز پیدا کرتے اور پھر بیٹھ کے لئے خاک کا حصہ بن جاتے۔ وہ انہیں کچھ دور ہی گیا، جب اس نے بیتی کے پکھوں میں کچھ مردوں اور بچوں کو لکڑی کے بڑے بڑے تھے اخھا کر دہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ لکڑی کے مٹیبوڑا اور توڑا تھے کو دیکھ کر اس نے اپنا چہرہ حزیدہ جھکایا۔ وہ اس تھی کا سامنا نہیں کرتا چاہتا تھا جو اس کی روح میں کئی ٹھکاف پیدا کر دتا۔ وہ بھاگتے قدموں سے آگے بڑھا جب بے دھیانی میں لکڑیاں اخانے تیزی سے آتے چودہ سالہ جارج سے گرا کیا۔ جارج کے ہاتھ سے سب لکڑیاں یقینے گر گئیں۔ براؤن کوٹ والا گھر اکر جیچھے ہٹا۔ جارج نے نصف سے اسے گھوڑا تو چوک کیا۔ اس شخص کی آنکھیں تاریخی تکمیل کی تھیں جن میں تیز روشنی تھی۔ جارج کو چوکتے دیکھ کر اس نے فوراً لٹاہیں جھکا گیں اور لکڑا کر گزرنے لگا۔

گمشدہ سورج

قرۃ العصیں فرمہا شی



اس الاوامیں پہنچ دوں گی جسے انسانی خون بہت پسند ہے۔ ”میدم روہی نے سخت لمحے میں کہا تو لوگ ذرا گئے۔ میدم روہی نے لوگوں کو مختلف ذہاریاں سوچیں اور خود آرام سے اپنی عالیشان کر کر پہنچ کر انہیں کام کرنا پہنچنے لگی۔ لوگ جگل کی طرف بھاگے اور لکڑیاں اٹھا کر الاوامیں ڈالنے لگے۔ وہ بیسے بیسے الاوامیں لکڑیاں ڈالنے لگے، اس کی روشنی بلند ہوئے تھی تھی کہ اس الاوام کے میں اپر ایک سورج نمودار ہوا مگر اس کی روشنی، پوری طرح روشن نہیں تھی۔

”اویکھا ایسیں تمہارا سورج بھی واپس لے آئی ہوں۔ میری طاقت کو مانتے ہوئے؟“

میدم روہی نے فخر یا انداز میں کہا تو سب نے سر جھکا دیے۔ میدم روہی کو حکومت کرتے ہوئے کئی سال گزر گئے اور اس دوران لوگوں کی حالت نہ ہو گئی۔ نہ کسی پھرے پر خوشی تھی اور شر ورق۔ سب میدم روہی کے جادو سے خوفزدہ رہتے۔ میدم روہی بہت سخت دل عمرت تھی جو بغیر کسی وجہ کے لوگوں کو سزا دیتی۔ لوگوں کو تکیف میں بھلاک کر اسے خوشی ملی تھی۔ وہ ایک خالم جاہد و گرفتی تھی جس کا مقصد دوسروں پر حکومت کرنا تھا۔

رات کا نہ صرہ طرف پچایا ہوا تھا۔ آسمان پر ٹکٹکتے ہمارے بھی اداں تھے۔ بھتی سے بہت دور گئے جگل کے سب پوے، درخت، پرندے اور جانور پر بیشان کھڑے تھے۔ ایک طویل قامت درخت نے اپنی شاخوں کی مدد سے درجک جھانا۔ اس طرف والا حصہ غالی ہو چکا تھا۔ اگری طرح درخت کلتے رہے تو بہت جلد ان سب کی باری بھی آ جاتی۔ درخت تو ختم ہوتے ہی، سماں تھا جس سب جانور اور پرندے بھی بے گھر ہو کر مارے جاتے۔ اسی وقت بڑے درخت کے پاس چند چھوٹے پوے آئے۔ جنہوں نے ابھی درخت پہنچا۔

”کیا ہم مر جائیں گے؟“ ایک نجی پوے نے ذرے ہوئے انداز میں پوچھا تو بزرگ درخت نے پوچک کر دیکھا اور فتحی میں سر ہلایا۔

”میدم روہی سب بھیک ہو جائے گا۔ یہ زمین پہلے کی طرح ہریالی اور بزرے سے کچھ جائے گی۔ ہر طرف خوشی اور سکون ہو گا۔“ بزرگ درخت نے تھیں بھرے انداز میں کہا۔

”مگر یہ جب ہی ممکن ہے جب ہماری زمین کا گم شدہ سورج ملے گا۔“ ایک سمجھدار چھوٹے سا تر کے درخت نے ٹفر مندی سے کہا تو بزرگ درخت نے اسے گھوڑا جیسے پیچا کے سامنے خاموش رہنے کا کہہ دیا۔

”سورج کا کام ہی چکتا ہے۔ وہ زیادہ عرصے تک اپنی زمین سے دور نہیں رہ سکتا۔“ بزرگ درخت نے فرمی سے کہا۔

”مگر الاوام سے بنا سورج بھی تو ہے نا اہ کیوں نہیں سب کو پہلے جیسا کرو جائے؟“ چھوٹے پوہنچے پھر سوال کیا۔

میں سر پلاتا، لکڑیاں اٹھا کر تھیزی سے میدم روہی کے محل کی طرف بھاگا۔ آرھر بھی دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اسی طرف جا رہا تھا۔ میدم روہی نے اسے لکڑیاں کاٹنے کی ذمہ داری سونپی ہوئی تھی اور اسے ایک جادوگی لکھاڑا دیا تھا جو منہوں میں درخت کو کاٹ دیتا۔ آرھر کا کام لکڑیاں کاٹنا تھا جبکہ بھتی کے باقی لوگ یہ لکڑیاں اٹھا کر، الاوامیں ڈالنے کے لئے جاتے۔ یہ ایک طرح کی اجرت تھی۔ جو لکڑیاں الاوام کے لئے لاتا، اسی کو میدم روہی کے محل سے تازہ کھانا تھا۔ کافی ہوئی لکڑیوں کی تعداد اتنا زیادہ ہوئی تھی کہ اگر بھتی کے لوگ سارا دن بھی اٹھاتے رہتے تو لکڑیاں فتح نہیں ہوتی تھیں۔

اُس بھتی میں یہ سلسہ پچھلے کئی سالوں سے پلی رہا تھا اور بجا نے کب تک چنان تھا کہ بھکر یہ سوتی میدم روہی کے پراسرار جادو کے زیر اڑتھی۔ اسی بھتی جس کا سورج کی سال پہلے اپاٹک روپیش ہو گیا اور بھتی میں ہر طرف اندر جیرا، بھوک، افلس، فربت، بھیل گئی۔ سورج کی روشنی دشمن کی وجہ سے پھول پوئے، پھل، جانور ہر شے کی نشوونما رک گئی۔ بھتی کے لوگ سمجھے کہ یہ اپر والے کاغذات ہے مگر ایک دن اپاٹک کا لباس میں ملبیں، دراز تدکی مالک، دلی پتلی، میکھی میں لکھیں کی میدم روہی کی میدم روہی میں داخل ہوئی۔ اس نے ایک ای رات میں جادو کے ملن بوتے پر عالیشان محل تعمیر کیا اور اسی محل کے وسط میں بڑا الاوام جا کر بھتی کے سب لوگوں کو تحقیک کیا۔ میدم روہی کی جادوگی طاقت دیکھ کر بخوبی دیکھ دی۔

”میں اس زمین کی طاقت رجاء و گرفتی ہوں۔ اس کا کامات کی ہر چیز کو اپنے قابو میں کر سکتی ہوں۔ اگر تم لوگ نہ مدد رہتا جائے ہو تو جیسا میں کہوں، دیساہی کرنا پڑے گا۔“ میدم روہی نے کہا تو بھتی کا ایک سمجھدار شخص آگے بڑھا۔

”تم کیسے مان لیں کرم سب سے بڑی جادوگرنی ہو جو ہمارے سب مسائل کو حل کر سکتی ہے۔“ آدمی نے سخت انداز میں کہا تو میدم روہی نے اسے گھوڑا۔

”تم ضرور مانو گے۔“ میدم روہی نے کہتے ہوئے اپنالاٹھ بند کیا تو اس کے ہاتھ میں دریا نے سارے کاشیتھ تھا۔ شیشے سے کچھ شعایں لکھیں اور اس آدمی پر پڑیں۔ وہ آدمی ایک دم فضا میں اچھا۔ شعاعوں نے اس آدمی کو اٹھا کر، الاوامیں پھیلک دیا۔ آدمی کے گرتے ہی الاوامیک دم سے روشن ہو گیا۔ پسلے اس میں سے سرخ خون جیسے شعلے بلند ہوئے تو لوگ خوف سے چھپنے مارنے لگے۔ میدم روہی لوگوں کو خوفزدہ دیکھ کر قتیقہ لائے گئی۔

”اور کون بے جر مچھے پھیل کر رہا چاہے گا؟“ میدم روہی نے مکراتے ہوئے پوچھا تو سب لوگ ڈر کر پیچے رہتے گئے۔

”آجتن لوگوں کا تم میری بات مانو گے تو دو وقت کا کھانا ملے گا۔ تم لوگوں نے صرف اس الاوام کو جلاٹے رکھتا ہے اور اس کے لئے جہاں سے بھی ممکن ہو، لکڑیاں لے کر آتی ہیں۔ اگر یہ الاوام بھیگی تو سمجھ لینا کہ وہ دن تم سب کا آخری ہو گا۔“ کیونکہ میں تم سب کا غامر

اگر وہ کچھ دوری گئے تھے، جب اپاکنڈیمیر سارے درختوں نے انہیں گھیر لایا۔ براؤن کوٹ والے نے چونکہ کسر اٹھایا۔

”آپ کو ہمارے ساتھ چلانا ہو گا۔“ ایک بھاری تنے والے درخت نے کہا تو براؤن کوٹ والے نے انہی میں سرہایا۔ درختوں نے ایک دمرے کی طرف دیکھا اور خوشی سے اچھے لگے۔

”یہ ہماری زمین کا گمشدہ سورج ہے کیونکہ یہ ہماری زمین کھجھکتے ہیں۔“ درخت خوشی سے کہتے ہوئے گھر اداں کر ان دونوں کو مجھے بھل کی طرف لے جائے گے۔ براؤن کوٹ والے اپنے تو اپنے کوٹ میں چیپے آگ کے گولے سے انہیں آسانی سے جلا دیتا اور یہاں سے چلا جاتا گردہ ان درختوں کو نصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا کیونکہ یہ درخت، ایک زمانے میں اس کے ساتھی تھے۔ جارج جمیانی سے درختوں کو بولا اور چلتا دیکھ رہا تھا۔

”کیا یہ سب میدم روی کا جادو ہے؟“ جارج نے پریشانی سے سوچا۔ کچھ دیر کے بعد وہ مجھے بھل کے دست میں چھپ گئے۔

”مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟“ براؤن کوٹ والے نے غصے سے کہا۔

”یہ جاننے کے لیے کہ آپ نے ہمیں دھوکا کیوں دیا؟“ سورج طاقت کا سرچ شہر ہے۔ آپ کی روشنی ہماری طاقت تھی اور آپ ہمیں ایک خالی جادو گرفتی کے رحم، کرم پر چھوڑ کر کھینچ پھپ گئے۔“ بزرگ درخت نے افسوگی سے کہا۔ براؤن کوٹ والے کی آنکھیں الگارہ ہن گئیں۔

”میں کسی کو چھوڑ کر نہیں گیا بلکہ میں خود اس جادو گرفتی کے جادو کا فکار ہو گیا۔ یہ دیکھو!“ براؤن کوٹ والے نے کہتے ہوئے اپنا کوٹ پیچے کیا تو اس کے پیٹ کی جگہ آگ کے بڑے گلے کو کر دش کرتا دیکھ کر سب پچھک گئے۔ ایک لمحے میں ہی اس کی روشنی دور ہو گئی۔ اس نے جلدی سے براؤن کوٹ آگے کیا تاکہ یہ روشنی مجھی رہے ورنہ میدم روہی اس سکنی تھی جاتی۔ اسی وقت جارج نے زور سے سرہایا تو براؤن کوٹ والے نے اس کے من کو آواز دیکھ دیا۔

”اگر سب ساتھ دیں تو ہم میدم روی کو نکلتے دے سکتے ہیں۔“ جارج نے جلدی سے کہا۔

”وہ کیسے؟“ سب نے ایک ساتھ پوچھا۔

”اتفاق اور بہت سے۔ ہم میدم روی کے ہناء جادوی سورج کو جہاہ کر دیں تو اس کا جادو دھوت جائے گا۔“ جارج نے پر جوش انداز میں کہا۔

”یہ آسان نہیں وہ سورج کی درختوں کی قربانی سے رہش ہوا ہے۔ جیسے ہے اس میں لکڑی ڈالتے جائیں گے، وہ پلند ہوتے ہوئے آسمان تک چلا جائے گا۔ جب وہ جادوی سورج آسمان پر پہنچے گا تو اس کی روشنی زمین کے جس حصے پر پڑے گی، وہ میدم

”اس لیے کیونکہ وہ جادو سے نا سورج ہے۔ جس کی زر کروں نے ہماری زمین کے گرد اپنا جاں بیچا کرا سے قیدی ہنا یا ہے۔ اس لیے تو ہر کوئی مشکل میں ہے۔ زمین پر سے جنگلات ختم ہو رہے ہے۔ جنگلات ختم ہوں گے تو جنگلی حیات بھی ختم ہو جائے گی اور پھر انسان بھی!“ بزرگ درخت نے تھیڈی گی سے کہا۔

”ہمارا گم شدہ سورج کہاں ملے گا؟“ چھوٹے پوچھا تو بزرگ درخت نے گھبرا کر پوچھا تو بزرگ درخت نے گہری سماں لی۔

”پتا نہیں! یہاں کہیں بھی، ہمارے آس پاس ہو گا۔ اس کی پہچان چھکنی نارنجی کرنیں ہیں۔“ بزرگ درخت نے کہا اور گہری سماں لے کر مڑا۔

”میں نے نارنجی کرنوں والے ایک غص کو دیکھا تھا۔ اس نے بستی کے ایک پیچے کی مدد کی تھی۔ لکڑا یاں اٹھانے میں۔“ اپاکنڈی پوچھے۔ اس کا تو سب پچھک گئے۔ سب کے چہروں پر بے قیمتی تھی۔ وہ گم شدہ سورج ہے کھوئے ہوئے کسی سال بیت پچھے تھے، وہ ان کے اتنے پاس تھا اور وہ بے خبر ہے۔



”آپ اس دن والے انکل ہیں نا!“ جارج تھکا ہا را کھانا لے کر واپس آیا تو اپنے پرانے گھر کی پچھلی طرف موجود اندر ہیرے ہٹتے ہیں، براؤن کوٹ والے کو پیٹھے دیکھا تو پاس آ کر کہنے لگا۔ براؤن کوٹ والے نے چونکہ کسر اٹھایا۔ اس نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا ہوا تھا، جیسے شدید درد میں جھٹا ہو۔

”تم جاؤ یہاں سے امیری طبیعت شیک نہیں ہے۔ کچھ درجک یہاں سے چلا جاؤں گا۔“ براؤن کوٹ والے نے جلدی سے کہا تو جارج نے جمیانی سے دیکھا اور کچھ سورج کا پیچے گھر کے اندر چلا کیا۔ تھوڑی در کے بعد وہ اسی آیا تو اس کے ہاتھ میں لکھا تھا۔

”انکل! یہ آپ کا حد ہے۔ میں نے دیا ہے۔“ جارج نے مخصوصیت سے کہا تو براؤن کوٹ والے نے جمیانی سے دیکھا۔ اسی وقت اس کے پیٹ میں شدید درد اٹھا اور وہ تھپ اٹھا۔ جارج گھبرا کر اس کی طرف بڑھا۔

”کیا ہوا؟“ جارج نے کہتے ہوئے اس کا کوٹ سامنے سے پیچے کیا تو غوف سے ساکت رہ گیا۔ اس کے پیٹ کی جگہ آگ کا بڑا سا گولا دیکھ رہا تھا۔ جارج خوفزدہ ہو کر پیچے ہٹا کر براؤن کوٹ والے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جارج نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو براؤن کوٹ والے کی آنکھیں نارنجی تھیں۔ وہ جارج کو گھورہ ہاتھ۔

”تم میرا راز جان پچے ہو۔ میرے ساتھ چلو!“ براؤن کوٹ والے نے غصے سے کہا اور جارج کا ہاتھ پکڑ کر گھینٹے لگا۔ جارج نے گھینٹے کے لیے من کھوا لگا اس نے ایک انگلی انداز کر اشارہ کیا تو ایک نارنجی رنگ کی شعاع لفگی اور جارج کے من کو ایسے بند کر دیا جیسے کسی نے کی دیا ہو۔

زیادہ دور تک جیسی چھپ سکا، سورج کو طلوع ہوتا ہی ہوتا ہے۔ ”براون کوٹ والے نے کہا اور اپنا کوت پیچھے بنا کر آگ کا چیز گول میڈم روہی کی طرف بڑھا اور اسے گھیر لیا۔ میڈم روہی آگ کے گولے کے اندر قید پیشیں مارنے لگی۔ براون کوٹ والے نے اپنا پاتھک اخیا تو نارغی شعائیں جیزی سے باہر لئیں اور میڈم روہی کو آگ کے گولے سیست الاؤ میں پھینک دیا۔ ایک ترک کا دھماکا ہوا۔ پیلے الاؤ اچھا اور پھر اسی الاؤ میں ڈالا پانی اچھل کر آسمان تک گیا۔ میڈم روہی کا بنا یا شیطانی سورج، اس سمیت بیٹھ کے لئے جل کر بھیم ہو گیا۔ براون کوٹ والے نے ایک بھنگ سے اپنا کوت پیچھے پیچھا کرنا اس کے جادوی کی جسم میں قید سورج جیزی سے باہر لٹکا۔ جادوی پتانا غائب ہو گیا اور سورج آسمان پر جا کر چکنے لگا۔ اس کی روشنی کروں نے ہر طرف، آزادی اور سکون کی خوشی پھیلا دی۔ پودے، درخت، انسان، جانور سب روشن دن دیکھ کر خوشی سے جھوٹتے لگے۔ جارج نے سکراتے ہوئے سراہٹا کر گشیدہ سورج کو دیکھا، جو آزادی کی روشنی سے پھر سے چک اٹھا تھا۔

”ہماری زمین کی آزادی کا یہ سورج بیٹھ چکتا رہے گا کیونکہ تم آخری سانس تک، اپنی آزادی اور خودداری کے لیے جل کر کام کریں گے۔“
جادج نے بلند آواز میں کہا تو سب نے ایک ساتھ فخرہ بلند کرتے ہوئے اپنے ہاتھ سورج کی طرف کر کے عمدہ کیا۔ سورج نے مسکرا کر اپنیں دیکھا اور ہر سے سے آسمان پر سفر کرنے کا آزادی کا سورج سب کے لئے ہوتا ہے۔ ☆

ایک بحثت مردان

”بے چہ پتوں تو بہت نہ بارہ، جنگجو کرے وہ چھوئے آسمان“
اور احر کے بدن میں بیٹے کرنت دوز گیا۔

اس کے بازوں میں بھلی کی کونڈگی اور دیکھتے ہی دیکھتے امر کی نیم اپنی کشتی دوسرے نہیں رہے آئی۔

چند سیکنڈ

بس چند سیکنڈ لگے اور یورپ کی نیم پہلے نہر پر پاکستان کی نیم دوسرے نہر پر جبکہ مالدیپ کی اپنی نیم تیرے نہر رافی کی حصہ رکھ رہیں۔
☆

بیٹھا رسولو، گولڈ میڈل افراوی طور پر اور اسکوں کے لیے روٹنگ کوہیمن کی سیکنڈ رافی لیے احر اور پانچوں بیچے پاکستان کے ائمہ پورٹ پر پہنچنے تو سو شہ میڈیا کی ناپ بارٹ اسٹوری بن چکے تھے۔

احر نے ٹابت کیا جنت کا جذبہ، کامیابی کی لگن ہو تو کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔
☆.....☆

روہی کا غلام بن جائے گا۔ میڈم روہی، اس زمین پر اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے ہر چیز کو جہا کر دے گی۔ اس نے اپنے جادو سے مجھے رات کے اندر ہرے میں، اپنے بنا کے جادوی پتے میں قید کر کے، میلوں دوڑ کی ایک غار میں بند کر دیا تھا کیونکہ وہ مجھے ختم نہیں کر سکتی۔ میں نے اپنی طاقت سے جادوی پتے کو اپنے حکم کا غلام بنایا اور میڈم روہی کو ذہن میں تباہی کو جلا کر بھسپ کر دوں گا۔“
براون کوٹ والے نے خستے سے کہا۔

”سب سے پہلے ہم اس الاؤ کو بھجا گیں گے۔ اس الاؤ کے بھجتے ہی میڈم روہی کی طاقت ختم ہو جائے گی۔“ بزرگ درخت نے سخن دی سے کہا تو سب نے سر ہالیا اور آگے کا لامبی عمل طے کرنے لگے۔
☆

اپنی بھل کی بالکوئی میں کھڑی میڈم روہی نے مسکراتے ہوئے جادوی الاؤ کی طرف دیکھا۔ وہ دن دوڑ کیس تھا جب اس کا جادو کا مقابلہ ہوتا اور وہ جادوی سورج بناتا کر، ساری نظر زمین کو غلام بناتا تھا۔ میڈم روہی نے دوڑ دوڑ تک دیران اور غالی نظر آتے میدان پر نظر ڈالی۔ آؤٹے طاقت کے درخت الاؤ کا حصہ بن چکے تھے۔ اسی وقت اچانک میڈم روہی کو دوڑ سے تیز روشنیاں اپنی طرف آتی نظر آگئیں۔ وہ چھینک گئی۔ اس نے جلدی سے ایک مندرجہ کر پھونکا تھا اس کا منڑ واپس اوت آیا۔ میڈم روہی کو جھکا لگا۔ اس کے جادو کا مقابلہ صرف اصل کرنیں ہی کر سکتی تھیں کیونکہ سورج خود بہت طاقتور تھا۔ میڈم روہی نے اسی وجہ سے جادوی (صار) پتے میں قید کیا تھا۔

”یہ عام روشنیاں ہیں ہیں۔ گشیدہ سورج واپس لوٹ آیا ہے۔“ میڈم روہی نے گھبرا کر خود کا ہی کی۔ اسی وقت دوڑ سے آتی روشنیاں قریب آگئیں۔ میڈم روہی جران رو گئی کہ ہر طرف درخت ہی درخت تھے جن کی شاخوں پر براون کوٹ سے نکلنے والی روشنی پڑ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ میڈم روہی کوچھ بھی، ہرے ہرے مضبوط تھے اسے درخت جیزی سے الاؤ کی طرف بڑھے۔

”ہو توہہ ایسا جس جل کر بھسپ ہو جا گیں گے۔“ میڈم روہی نے طنز انداز میں کہا۔ گمراہ دن دوڑ کے قریب پہنچا اور پھر انہوں نے بڑے دہانوں والا اپنا منہ کھولا تو پانی کی تیز دھار الاؤ پر پڑنے لگی۔ میڈم روہی کو جھکا لگا۔ یہ عام درخت جسیں تھے بکدی یہ پانی کی بڑی مقدار خود میں گھونٹا کر لینے والے درخت تھے۔ میڈم روہی نے تیز ماری اور جیزی سے اسی ہوئی زمین کی طرف آتی گمراہی وقت براون کوٹ والے الاضھس اس کے سامنے آ کر کھرا ہو گیا۔ میڈم روہی خوفزدہ ہو گئی۔

”تم نے اپنے شیطانی جادو سے کئی سال، اس سبقت پر حکومت کی، اس سبقت کی آزادی کے سورج سے محروم رکھا تھا تم یہ بھول گئی کہ آزادی کا سورج خلعت کے اندر ہرے میں

”وہ کیسے؟“ وقار نے استفسار کیا۔

”میرے بھائی اس سنس تو یعنی دو، بتا رہا ہوں۔ سب سے پہلے تم اپنا وزن کم کرو۔“

”لیکن میرا وزن تو ٹھیک ہے؟“ وقار نے کہا۔

”تم دیکھنے میں تو ٹھیک نظر آتے ہو۔ لیکن جسمی بی ایم آئی BMI کا نیمت کرنا چاہیے۔ اور ڈاکٹر سے مشورہ بھی کرنا چاہیے۔“

”یہ کیا ہوتا ہے؟“ وقار نے پوچھا۔

”اسامد ای بی ایم آئی کا مطلب ہے Body mass index۔ یہ جو یدی قسم کا ایک

نیمت ہے جس سے یہ معلوم ہو گا کہ تم اپنی عمر کے مطابق صحت مند ہو یا نہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ یہ تو میں کر لیتا ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے اب کیا کرنا ہو گا؟“

”تمہیں روزانہ کم از کم ایک گھنٹہ ورزش کرنی چاہیے۔ اس کے علاوہ پارک میں روزانہ نصف بال اور ہائی کمپلینو۔“

”اس سے کیا ہو گا؟“ وقار نے پوچھا۔

”پہلی چلنے اور کمپلینے سے تمہارے پٹھے یعنی اعصاب مطبوع ہوں گے اور تم خود کو تو انداز پخت محسوس کرے گے۔“

”وقas بھائی اٹھیک ہے۔ میں روزانہ ورزش بھی کروں گا اور نصف بال بھی کمپلینوں کا۔“

”شاہاں میرے دوست ایسے بہت اچھا فیصلہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اچھی صحت کے لیے متوازن نہاد بھی ضروری ہے جیسے تازہ ہبڑیاں اور پھل جو معدہ بیات اور غذا بیت سے بھر پر ہوتے ہیں۔“ وقار نے نصف بال اٹھاتے ہوئے کہا۔

”چلو اب کمپلینے ہیں تمہاری باتوں نے میرے اندر بھت پیدا کر دی ہے۔“

”بیارے پچوا کھیل کو اچھی صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔ جو پہنچ کوئی کھیل جس کمپلینے یا ورزش نہیں کرتے وہ بیاریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تو روزانہ ورزش کریں اور اچھی نہ اکھائیں تاکہ آپ یہی صحت مند رہیں۔“ ☆

اسامد نے جلدی سے جوں پیا اور پارک کی طرف بھاگ گیا۔ اس سال سکول کے سالانہ کھیلوں کا شدت سے انتحار تھا۔ وہ اس سال دوڑ کے مقابلوں میں اول آنا چاہتا تھا۔ اور اس مقصد کے لیے وہ گزشتہ تین ماہ سے سچ ٹھیک تماز کے بعد دوڑ نے کی مشن کر رہا تھا۔ اسار کے والد بھی ایک چاک ہے جو بند آدمی تھے اور انہوں نے ہی اسے یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ کھیلوں کے مقابلوں سے پہلے خود کو تیار کرے۔ اسامد اس بات پر بہت خوش تھا کہ اپنے والد کے مشورے پر عمل کرنے سے اس کی دوڑ نے کی صلاحیت دن بدن بہتر ہو رہی تھی اور اسے اپنی منزل کا حصول آسان نظر آ رہا تھا۔

آج وہ اپنے دوست وقار سے پہلے پارک پہنچ گیا۔ اور جلدی سے تمی چکر پارک کے گا کر آدم کرنے لگا۔ حمڑی دیر بحد وقار میں بھی آ گیا۔ دونوں نے ساتھ دوڑ لگانا شروع کر دی۔ اپاکن وقار میچے گزیا اور تیز ساری سلیٹے گا۔ اسامد بھی رک گیا۔

”کیا ہوا؟“ اسامد نے پوچھا۔

”محنت کمزوری محسوس ہو رہی ہے۔ اور مجھ میں مزید بھت نہیں کہ بھاگ سکوں۔“ وقار نے جواب دیا۔

”تمہاری ابھی سے یہ حالت ہے۔ تم دوڑ کے مقابلے میں کیسے ٹرکت کر دے گے؟“ اسامد نے کہا۔

”میرے دوست ایں جاتا ہوں۔ مگر کیا کروں؟ میری بھت جواب دے گئی ہے۔“ وقار نے کہا۔

”میرے دوست ایسا لاکل آسان ہے۔ میرے ابوئے مجھے سب کچھ سمجھا دیا ہے میں بتاتا ہوں کہ تم خود کو دوڑ کے مقابلوں کے لیے کیسے تیار کر سکتے ہو اور مجھے تھیں ہے کہ تم یہ کر سکتے ہو۔“

کھیلوں کی اہمیت

عمار حسین



رونگ بہت بحث کھیل ہے اور اس میں ہمت و حوصلہ رکھنے والے ہی اپنی منزل تک پہنچ پاتے ہیں۔ کنی سخن راؤنڈز سے گزر کر رفاقتی اپنے اسکول کے ہم کرنا ہر اسکول کے پیچے کا خواب ہوتا ہے۔ اور سب ہی اپنی اہل کار کردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہر راؤنڈز کے ناپ تھری پیچوں کو گولڈ میڈل جب کہ فور تھج پوزیشن پر آئے والوں کو سلوو میڈل سے نواز دیا جاتا۔ و قفوہ قفقے سے چار راؤنڈز کشتوں رانی کے مقابلے مکمل کرنے کے بعد پانچوں اس ادا خری راؤنڈ کے اختتام پر میدالز کے ساتھ ساتھ ایک خوش تھست اسکول کو رفاقتی بھی نصیب ہوتی۔

اہر کی چدہ چھوڑنگ لائی اور ایت کا اس میں اہر کا ہام اسکول کی ٹم میں باقاعدہ لگو لیا گیا۔

ہر سال اہر کی کار کردگی پیسلے کی نسبت اعلیٰ سے اعلیٰ ہوتی جا رہی تھی۔

لگتا درد سال اہر نے پڑھائی کے میدان میں بھی بہترین کار کردگی و حکایتی اور روونگ کے مقابلوں میں بھی بے شمار میڈالز حاصل کرتے ہوئے رفاقتی بھی اپنے اسکول کے نام کی۔

اسکول بول پر روونگ میں سب سے زیادہ گولڈ میڈل لینے والا اہر روونگ کو چڑھ کبھی فیورٹ بن چکا تھا۔

چونکہ پاکستان میں یعنی الاقوای سٹرپ رشتوں رانی کی کوئی ٹم نہیں اس لیے اہر جب باہر کے ممالک میں ہونے والے کشتی رانی کے مقابلے میں وی دیکھتا تو دل مسوں کر رہا جاتا۔

اہر ظاہرہ بنا پتا بچہ تھا جس کی وجہ سے وہ اکٹھ نماق کا نشان بھی ہتا۔ اکٹھ دوست بھی اسے "سوکھا" کہہ کر پھیلتے جس پر اہر بھی بھی افسر دہ ہو جاتا۔

بھی بھی آئندہ کھیتے ہوئے اپنے وجود سے نظر سچے ایسا کہ بہتر نہ ہذا، دو دو، گوشت کی فراہمی بھی اس کے دلیل ہیں کوئم نہ کر پائی تھی۔

اہر کے والدین اسے سمجھاتے۔

"ہر انسان میں کوئی نہ کوئی کی، خامی ضرور ہوتی ہے کوئی بھی مکمل پر فتحت نہیں ہوتا۔ صحیبِ توانہ مکمل بنایا ہے۔ دنبا، پتلا ہونا کوئی میب نہیں۔ تم اسارت ہو۔"

اہر کے والدین اسی باعثی اثر امداد ہوئے گیس اور اس نے اپنی مکمل آجہ پر حائل کی طرف پہنچ دل کر لی۔

با آخہ اہر اپنے بچپن زکی نظر میں اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ عنان پان سے اہر کو کھیلوں میں روونگ (کشتی رانی) کا بے احتہا شو قیمن تھا اور اپنے اسی شوق کی بدالت وہ روونگ میں خاص ماہر بھی ہو چکا تھا۔

چھیلوں میں وہ اپنے بچپن میں کشتی رانی کے ساتھ باقاعدگی سے کر اپنی بوٹ کلب میں اپنا یہ شوق پر اکیا کرتا تھا۔

روونگ میں بے احتہا طاقت صرف ہوتی ہے اور اہر اپنے کمزور و جو دیکھنے مجبوب ارادوں کے ساتھ اپنے من پسند کھیل کے لیے مشکل مشکل ورزش کر کے اپنی طاقت میں اضافہ کرتا۔

جب اہر کے اس شوق کی بہنک اس کے بچپن زکو ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے کہ بیش ستم کے تحت چلے اے اس بھنک اسکول میں ہر سال روونگ کے مقابلے بھی منعقد کیے جاتے تھے۔

اہل روونگ اور سویپ روونگ کے مسلسل کئی مقابلے منعقد کیے جاتے ہیں میں وہ سے پارہ لٹک اسکولاں کے پیچے حصہ لیتے اور جیت سے ہمکار ہونے والے خوش نصیب پھوں میں گولڈ میڈل، سلوو میڈل اور زرافین قیم کی جاتیں۔

ہمیٹ مردان

رجحانہ ایضاز



محنت پر بھروسہ کرتے ہوئے ایک ایسے مقابلے میں شرکت کرنے والے ملک جا رہا تھا جس میں بڑے بڑے تن و توٹ کے مالک پہنچ شاہل تھے۔

احر کے والدین مگر مت تھے اور احر اپنیں اس طیار رہا تھا۔

"آپ لوگ بس میرے لیے دعا کیجیے۔ میں ان شا اللہ آپ کو اور مجھ رکو ماہیں نہیں کروں گا۔"

میک ایک سخت بعد پھوٹ کی والد بیپ روائی پر سب کے دل سے ان کی کامیابی کے لیے دعا میں فکل رہی تھیں۔

تھی جگہ، یا حمل۔ نیا خط ایک تھی دیبا، بحالت بحالت کے لوگ۔ احر کی نعم میں شامل والرے پانچوں پیچے صحت مند تووانا تھے لیکن اس مقابلے میں شریک والرے ممالک کے پھوٹ کی نسبت کم تھے لیکن جیت کا بندہ ہے، جیت کی لگن ان کے جوٹ و خروش میں اضافہ کر رہی تھی۔

والد بیپ میں مقابلے میں شریک والری نیوں کے کئی پھوٹ نے بھی احر کو تھیک کا نشاد بنانے کی کوشش کی اس کے کمر وہ وجود کا طریقہ گنگو سے مسجد ادا یا لیکن احر نے بھی اپنے کان بند کر لیے تھے۔ اس میں ایک تھی جذبہ کا فرمان نظر آتا تھا۔

"جیت۔"

پورے دن دن بھکتی رانی کے مقابلے بغیر کسی وقہ کے جاری رہے۔ ہر مقابلے سے پہلے احر اور اس کے ساتھی اپنے کوچ کی ہدایات بغور سنتے۔ جذبہ ایمانی کے ساتھ اپنی جیت کی دعا کرتے ہوئے ہر مقابلے کو بطور پیلیخ قبول کرتے ہوئے بال آخرا کامل تک آپنے۔

کامل تک آپنے حکیمت پوری نیم خاص طور پر احر نے سب پر اپنی دعا ک بخدا ری تھی۔ چڑے پکلے سیوں والے غیر ملکی بھی بھی احر سے مت نظر آتے تھے اور فائل کے لیے اسے اپنے سے بڑا حریف تسلیم کرچے تھے۔ فائل را دن میں کل دن نیز شامل تھیں۔

مقررہ وقت پر روٹنگ شروع ہوئی۔

پاکستان میں موجود سب دوست احباب، مجھر، والدین اپنی اپنی اسکرین پر نظر ہجاتے اپنے پھوٹ کی کامیابی کے لیے پورے دل سے دعا گوتھے۔ شل ہوتے وجود کے ساتھ ایک لہذا راگہ عبور کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ آخری پندرہ منٹس بے حد اعصاب ملن کرنے والے تھے۔ احر اور ساتھیوں کے وجود میں ہوچکے تھے۔ ان کی کشی اس وقت پانچوں نمبر پر تھی۔

مقابلے کے تماش میں مسلسل ہونگ۔ نظرے بازی، سیٹوں سے پھوٹ میں جوٹ پیدا کر رہے تھے ایسے میں پاکستانی بول احر کے کالوں سے گراۓ۔

اُن مقابلوں کو کیجئے وقت احر کا جنون عروج پر ہوتا۔ وہ مظیاں کچھ اپنے پندریہ کھلاڑی کی جیت کے لیے جوٹ و خروش سے نظرے بازی کرتا۔

احر کے مگر، پیاس کا جوٹ و خروش دیکھ کر رہیں ہیے۔ احر کے مگر، پیاس کا جاتے تھے کشی رانی ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ بہت بہت، طاقت اور خود صلی چاہیے ہوتا ہے۔

احر کی می خصوصاً اپنے بیٹے کی بہت پر نہ زوال تھیں اور اللہ کا ملک را کرتے نہ تھیں۔ انہوں نے ہر مقابلے کے وراث نم آنکھوں سے احر کے ہاتھوں پر پڑنے والے آبلوں پر خود رہم لگایا اور ہمیشہ اس کی بہت بندھائی۔

احر کے بھاہر زم دنازک با جھوخت جان کے مالک تھے۔ ہر بار اس کی مختلیاں زغلی ہو جاتیں۔ اس کی کروائی زور اور سکھیں میں اکثر جاتی لیکن جیت کی دھم احر کو اس سب سے بے نیاز رکھتی۔

☆.....

کافی نجم کے بیچ زہوچکے تھے۔ تمام طلباء فری بوچکے تھے۔ ان ہی ہاتھ پر پہلے نے پھوٹ خیری سنا تے ہوئے کہا۔

"مالد بیپ میں ہر سال انٹریٹھل کشی رانی کروائے جاتے ہیں جس میں کئی ممالک حصہ لیتے ہیں۔ اس بار اندر سکھیں روٹنگ کوٹیوں میں پاکستان سے ہمارے اسکوں کو بھی اولاد کیا گیا ہے۔ تم بیساں سے اپنی نیم کے طور پر چھپے بھج کتے ہیں۔"

اور جن چھوٹوں کو ہم نے بچھے تمن سے چار سال کی کارکردگی میں بہترین پایا ہے انہیں سیکت کرتے ہوئے ہم نے انہیں اس مقابلے میں اپنے خرپے پر مالد بیپ بھیجے کا فیصلہ کیا ہے۔

پرنسپل صاحب نے سب کا ایک نظر دیکھتے ہوئے مزید کہا۔

"ہماری خوش قسمتی کر پاکستان میں روٹنگ کوٹیوں میں اچھی کارکردگی کی بدوات ہمارے اسکوں کو اس مقابلے میں شرکت کی دعوت دی گئی۔"

پرنسپل صاحب نے اگلے ان احر سیستمز ہی پانچوں کے والدین کو مدح کر کے میٹنگ کی جس میں ان سب کو اچھی طرح قواعد و ضوابطا سے آگاہ کرتے ہوئے پھوٹ کی کامل خاتمتی دیتے ہوئے ان سب سے فارم سائنس کروائے۔ تمام ضروری کارروائی کے بعد جلد ان کی روائی کے بارے میں مطلع کرنے کا کہتے ہوئے پرنسپل صاحب نے میٹنگ برخواست کر دی۔

☆.....

احر کے پاؤں ہارے خوشی کے زمین پر نہ کھلتے تھے۔ دبایا چلا احر جسے آج بھی اس کے دوست مذاق میں سوکھا کہہ کر حفاظت کرتے تھے، اپنی قوت ارادی کی بدوات اپنی

خوبصورتی کا لوٹی تھی جس کے ایک طرف ایک قطار میں خوبصورت بچگے بنے ہوئے تھے۔ بچے میں ایک کشادہ ہڑک اور سامنے پکھ پرانے اور بندھ حال گھر تھے۔ جس میں رہنے والے بہت زیادہ خوشحال نہیں تھے۔ زیادہ تر مزدود پیشلوگ تھے اور یہ وقت بھی وہ تھا جب نہ موبائل فون تھا اور شرکتیں تھیں وہی، چند گھروں میں بلکہ ایک دن اسکی دی ہوتا تھا۔ سچوں اور آسانی کی چیزوں کم حصہ محروم اور خلوص بے تحاش تھا۔ بدل کا نقش بھی کچھ یوں شروع ہوا کہ کچھوائی پہلے علاقوں میں ایک بدل دوز کا مقابلہ ہوا۔ انکے قصبوں سے اوگ اپنے اپنے بدل لے کر بدل دوز میں شریک ہوئے۔ اسی دوز میں ”بیلو“ بھی شریک ہوا۔ ”بیلو“ ایک بجورے رنگ، پچھتی جلد، بڑی بڑی آنکھوں والا تھوڑا خوبصورت بدل تھا۔ جس نے بلو کو دیکھا دیکھتا ہی رہ گیا اور سونے پر سہاگر ”بیلو“ وہ دوڑ جیت گیا۔ اس کے گلے میں نمبر وہن کامیڈی لڑا گیا۔ حادل اور کمال بھی اس دوز کے مقابلے میں گئے تھے۔ انہوں نے بلو کو دیکھا تو اس کے پاس باکر کھڑے ہوئے اس کی پچھتی جلد پر ہاتھ پھیرا اور بلو بھی اپنی خوبصورت لمبی دم بلاتا پکیں جھپک جھپک کر

بانو غنٹے میں بول رہی تھی اور سیم میاں اُنہیں چپ کر رہی ہے تھے۔ ”خا موٹیں ہو جاؤ، آپست بولا واباقی عن لیں گے۔ اُنہیں برا لگے گا۔“ مگر بانو پر شاید کسی بات کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔

”حد ہو گئی ہے، اللہ کا دیسا ب پکھے۔ صاحبِ حیثیت ہیں، آخر کیوں پوری نہ کریں اپنے اگلوتے بینے کی فرمائش، اور کوئی ناجائز فرمائش بھی نہیں۔ اپنی پسند کے بدل کی قربانی کر رہ چاہتا ہے تا آج ترا بابی کو مسئلہ کیا ہے؟ کیوں نہیں لیتے دیتے؟“ بانو غنٹے سے بولتے ہوئے اور پنجی خانے میں رکھی چیزوں کی قیمتیں بھی لیتی رہیں۔

”ہزار بار بتاچکا ہوں کہ ماں حرمہ میں بھی خوبیں تھیں اور بیرا بھی بہت دل چاہتا تھا کہ ہم بزرے جانور کی قربانی کریں، خوبصورت ساتھیں لیں، پر اب ابی راضی نہیں ہوتے تھے۔“ سیم میاں بھی آواز میں بتا رہے تھے۔

”تو ٹھیک ہے۔ پھر آپ فیصلہ کر لیں، اس بار بدل ہی کی قربانی ہوگی ورنہ میں اپنی اتنی کے کھر پٹلی جاہوں کی عادل کو لے کر۔“ بانو غنٹے پلٹ کر غنٹے میں باور پنجی خانے سے نکل گئیں۔

نئے اجلوں کے سفر میں



”کمال غیب ہے دادا جان! اس بارہم سب گلی کے پھوٹنے اپنی گلی کو جشن آزادی کے موقع پر نے طریقے سے جگائے کافی مل کیا ہے۔“

”اچھا وہ کیسے؟“ دادا نے پوچھا۔

”ہم گلی کو جھنڈیوں سے جاگیں گے اور سب اپنے گھروں کی پھوٹوں پر اور دیواروں پر دیئے جاگیں گے۔“ عادل جوش سے بتا رہا تھا۔

”دادا جان آپ کو قتل اچھی نہیں لگتے؟“ عادل نے سوال کیا۔

”بہت اچھے لگتے ہیں۔“ دادا جان نے کھوئے کھوئے لفڑی میں جواب دیا۔

”تم بتاوی، جیسیں جلو اتنا کیوں پسند ہے اور تم کیوں اسے لینا چاہتے ہو۔“ دادا جی نے عادل سے پوچھا۔

عادل سوچ میں گم ہو گیا کہ بتائے یا نہ بتائے۔

”بانکل سچ بتتا ہے۔“ دادا جی نے ”سچ“ پر زور دیا۔

”دادا جان! میرا دوست ہے نہ کمال!“ عادل نے یاد کر دیا۔

”وہی جو سکول میں ساتھ پڑھتا ہے اور سامنے والے گھر میں رہتا ہے۔“

”جی! ابھی!“

”ہوں..... میرا!“

”وہ، بارہ دن پہلے ہمارے علاقے میں ایک بیتل دوز کا مقابلہ ہوا۔ سب سے خوبصورت ہلوگ رہتا اور دادا جان، بیتل دوز میں ہلو اول آیا۔ اسے گنے میں نہ رہا ایک کامیڈی ڈالا گیا۔ مجھے اور کمال کو ہلو بہت اچھا لگا۔ ہم اس کے پاس گئے، اس کی چمکتی جلدی پہاڑھ پھیرتا اس نے یوں سرہا یا۔“ عادل نے سر کو داگیں، باہمیں سمجھایا۔ دادا جی اس کی محضوم حرکت پر سکرا آئھے۔

”اچھا ابھر؟“ سکراہت دیا کر دیا۔

”ہلو کے ماں کے نیکے کہا کہ میں ہلو پاٹھ ہزار میں فردخت کروں گا اور کمال کے گھر والوں کے پاس تو اتنے پیسے نہیں۔ اس کی اقی نے پوچھا۔ سات سو روپے تھن کے لہذا۔ پر سات سو روپے میں قوتیں نہیں آئے گا۔ ہمارے اس تاد صاحب نے کمرہ جماعت میں بتایا تھا کہ ہر سے جاؤ کے سات حصے ہوتے ہیں۔ اگر ہم پاٹھ ہزار کے سات حصے کریں تو ایک حصہ تقریباً سات سو روپے بنا ہے۔ تو ہم ایک حصہ کمال کا ڈال لیتے۔ پھر ہم دو ٹوں دوست ہلو کو کشندہ رہی پکڑ کر سیرجی کر دیتے ہیں، اس کو نہلا کرتے ہے اور کھانا بھی کھلا سکتے ہیں۔“ عادل نے ساری بات دادا جی کے گوش گزاری۔

”اچھا تو یہ بات ہے۔“ دادا جی بولے۔

”دادا جان! آپ ہلو کو ایک بار دیکھیں گے نہ تو نہیں گے اسے ابھی گھر لے پھیں۔“ عادل کے دماغ میں ہلو پر می طرح چھا یا رہا تھا۔

دونوں دوستوں کو دیکھ رہا تھا۔ جن کے گھر تو آئنے سامنے تھے پر جیشیت ایک سی نتیجی۔ لیکن دل محبت سے بھرے ہوئے تھے۔ اسی لیے دونوں زیادہ تر ساتھ رہتے تھے۔ اسی مقابلے میں ”ہلو“ کے ماں کے اعلان کیا کہ جو اسے مناسکی رقم دے گا اسی کو دہلو ہلکی دے گا۔ اب عادل فرمائش کر رہا تھا کہ اسے میڈ پر قربانی کے لیے ”ہلو“ ہی چاہیے۔ عادل کی خواہش میں سب سے بڑی رکاوٹ دادا جان تھے جو نجات کیوں بھی نہیں فریب نہیں دیتے تھے اور بیوی کی طرح اس سال بھی وہ گاؤں سے میڈ کرنے شر آئے تھے۔ ہر سال قربانی کے لیے بکرے اور ذہنے فریبے ہے جاتے گر بیتل نہیں۔ اور کیوں نہیں؟ اس کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔

عادل نے دھاڑ سے اپنے اپنی ابا کے کرے کا دروازہ کھولا۔

”عادل! یہ کیا طریقہ ہے آئے کا؟ سمجھایا ہے ناکر دیکھ کے انہیں کھو لئے دروازہ، تجیز بھول گئے ہیں کیا ساری؟“ بانو بخت سے بولیں۔

”وہ دادا جان اپنا سامان باندھ رہے ہیں۔ وہ گاؤں واپس جا رہے ہیں۔“ عادل کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ پریشانی سے بتا رہا تھا۔

”کیا؟ ابھی! میڈ کے بغیر جا رہے ہیں؟ لگتا ہے تمہاری ساری باتیں من لی ہیں انہوں نے!“ سلیم فتح سے بانو کو دیکھتے ہوئے بولے اور تیزی سے اپنی کے کرے کی طرف بڑھے۔

”ابھی! آپ نا راضی ہیں؟ یہ بے وقوف ہے، میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔“ سلیم، بانو کی طرف دیکھ کر شرمندہ شرمندہ سے بول رہے تھے۔

”نہیں ہیتاں میں کیوں نا راضی ہوں گا؟ میں بانکل نا راضی نہیں میں تم لوگوں کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنا چاہتا۔ میں واپس گاؤں پلا جاتا ہوں تم لوگ اپنی مرضی کی قربانی کر لو۔“ دادا جی نے آخری گیزوں کا جوڑا کر ریگ کی زپ بند کی۔

”نہیں دادا جی! امیں نہیں جانے دوں گا آپ کو۔“ عادل ان کی نہیں سے لپٹ کیا۔

”وہ روتا جا رہا تھا اور ایک سی جملہ بار بار بول رہا تھا۔“

”آپ کے بغیر میر کیسی؟ مجھے نہیں چاہیے ہلو۔“ دادا جی نے اسے انخیا، اس کے آنسو صاف کے اور اسے گنے لگا۔

”اچھا رونا بند کرو امیں کہیں نہیں جا رہا۔“ اور اسے گود میں آٹھا کر دیں بیٹہ پر دیکھ گئے۔

”گودی سے تو اتا رہیں، میں بڑا ہو گیا ہوں۔“ آٹھ سال عادل گودی میں شر رہا تھا۔

”تم کہاں سے بڑے ہو گئے؟ بڑا تو ابھی تمہارا بابا پ نہیں ہوں!“ دادا جی نے بیدار سے اسے چیت لگائی۔ گھر پر چھایا افسروں کا ماحول چھپت گیا تھا۔ عادل نے اپنی صندوق ہو دی تھی۔

”رات کا کھانا کھانے کے بعد دادا پوتا چھپت پر بچھی پاریاں پر لیٹ گئے۔“

”اور بچھی عادل بیاں اپنے دوست کمال کی سنائی۔“

"کہاںی ستو گے عادل؟" دادا جان نے سوال کیا۔

"جی دادا جان اتنا یئے تااا" عادل نے اشیاق سے جواب دیا۔

"یہاںی ہے جب کی جب پاکستان نہیں بنا تھا۔ سب ہندوستان میں رہتے تھے اور کہاںی ہے تم بہت بیارے دستوں کی، عیدو، حکمر اور راجہ کی۔ راجا ایک سفیر نگ کا خوبصورت اور حمود نسلی ہے جس پر جگد جگد بھرے رنگ کے دھمے تھے جو اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگاتے تھے۔" عیدو اور حکمر کے پاس راجہ کیاں سے آئا تھا؟" عادل نے پوچھا۔

"جب راجہ چند میںیں کا تھا تو عیدو کے دادا نے راجہ عیدو کو تھنے میں دیا تھا۔ جیسے کمال تھا رائپے والا دوست ہے ایسے ہی عیدو اور حکمر بھی گھر سے دوست تھے۔ دنوں دوست راجہ کا خیال رکھتے اس کی رتی تھاتے سیر کو جاتے۔ اسے نہلات، کھانا، نہلات اور راجہ بھی ان سے بہت محبت کرتا تھا۔ اگر وہ دلوں نظرت آتی تو راجہ کا ناپینا چھوڑ دیتا اور اوس ہیضار ہتا۔ پھر ایک دن ایک نسل دوڑ کے مقابلے کا اعلان ہوا۔ اس مقابلے میں راجہ اڈل آیا۔ دور ورجنک اس کی دھوم می گئی۔ کچھ لوگ اس جیت پر خوش ہوئے اور جن کے نسل جیت نہ پائے انہوں نے حسد کیا۔ ان ہی دنوں میں ہوارے کا نیصل ہو گیا۔"

"ہوارہ اور کیا ہوا ہے دادا جان؟"

عادل کی سمجھا بھا۔

"جب ہندوستان کی تھیس کا فیصلہ ہوا تو ساتھی یہ بھی قیصلہ ہوا کہ جن علاقوں میں مسلمان زیادہ ہیں دو علاقوں مسلمانوں کے ہوں گے اور جن علاقوں میں ہندو زیادہ ہیں دو علاقوں اتنی بھا حصہ نہیں گے۔"

"عیدو اور حکمر کس علاقے میں تھے؟" عادل کے ذہن میں سوال آیا اور اس نے پوچھ گیا۔

"عیدو کے خاندان کو بھرت کر عجمی کی بنک پکھر پسند ہو دقل و نارت گری پر اتر آئے تھے۔ جگد جگد نفرت کی آگ کے فلٹے بھر ک آئے تھے۔ مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کیا جا رہا تھا اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔"

"اُف دادا جان! کیا عیدو کا خاندان تھی مگر کیا تھا؟ حکمر کیا ہوا تھا؟"

"عیدو کے خاندان نے بگرتے ہوئے حالات کو کچھ کروات کی تاریخی میں بھرت کا فیصلہ کیا۔ عیدو نے راجہ کی رتی تھام رکھی تھی اور سب گمراہے کہہ رہے تھے کہ راجہ کو سکن چھوڑ جاؤ اور عیدو رہتے ہوئے راجہ کی رتی تھاتے ہوئے تھا اور ہندو تھا کہ راجہ ساتھ جائے گا۔ سب سز کے لیے مل پڑے اور ان سب کے پیچے حکمر رہا جاگ رہا تھا کہ

"مت جاؤ!" عیدو اور اس کے گھروالے حکمر کو بار بار سمجھا رہے تھے کہ پیچے آؤ پاٹ جائے، مگر وہ روتے ہوئے ان کے پیچے بھاگ رہا تھا۔ اسی وقت ہوا یعنی کا حملہ ہو گیا۔ اکثریت نے راجہ کو پہچان لیا۔

"مسلمانوں کا قائد ہے۔ کاش ڈا اواوی ڈیل ہے جو دوز جیتا تھا۔" ایک بلوائی چین جس طرف سے جملہ ہوا اپاں سب سے پہلے تھا۔

عیدو نے راجہ کی رتی چھوڑ دی اور حکمر کا تھوڑا بچکر کر بھاگ گا۔ وہ اور اس کے گھروالے اندھا جنڈ بھاگ رہے تھے۔ بھاگتے بھاگتے اس نے غمزد کو اپنی تکاری میں لے کر بھاگ رہے تھے۔ اچانک عیدو کو ایک سرپرست تھا۔ بلوائی ایک سرپرست تھا۔ عیدو اس میں کے پیچے بھاگ رہے تھے۔ اچانک عیدو کو ایک سرپرست تھا۔ اس نے حکمر کو اس میں دھکا دیا اور پھر خود بھی اس گھر سے میں چھاگ لگا گا۔ بلوائی اُنہیں دھونڈتے رہے پھر گھر سے میں اندھا جنڈ تکاری میں چھاگ لگا گا۔ اس تو قردا جائے۔ عیدو دشید یہ رُخی ہوا پر حکمر کے اوپر سے نہ ہتا۔ وہ ایک دوست گنو چکا تھا۔ وہ سرا کھونا نہیں چاہتا تھا۔ بلوائی قتل و غارت گری کا بازار گرم کر کے جا چکے تھے۔ عیدو بڑی مشکل سے گھر ہے سے لکھا، حکمر کو کھلا۔ حکمر معمولی رُخی تھا۔ عیدو نے دوست پر آخوندی پیدا بھری نظر ڈالی، اپنے خون سے اس کے ماتھے پر تک لگایا تاکہ ہندو اسے مسلمان بھجو کر مارت ڈالیں اور اپنے باقی پتھے ہوئے خاندان کے ساتھ پاکستان روائے ہو گیا۔" عادل اور دادا جان و دنوں کی آنکھیں آنسو ہیں سے تھیں۔

"دادا جان! عیدو، عیدو گما پ ہیں نا؟" عادل نے دادا جان کا پورا نام لے کر پوچھا۔

"ہاں میرے بچے! میں ہی ہوں "عیدو عید محمد" عادل اپنے بچے نئے بھنوں سے دادا جان کے آنسو پوچھ رہا تھا۔

"دادا جان ایں کبھی جملہ کو لینے کے لیے نہیں کہوں گا۔" عادل کی آنکھوں سے آنسو ہے رہے تھے جو دادا جان اپنے بھنوں سے ساف کر رہے تھے۔ جن بھر کی تماز پڑھنے کے لیے ہوا پوتا پا تھا کہ کس سمجھ گے۔ تماز ادا کرنے کے بعد مسجد سے پکھا قاصلے پر دوخت کے پیچے بھے چھوڑتے پر کچھ نہمازی اور مولوی صاحب بیٹھ گئے۔ عادل بھی دادا جان کے ساتھ جل کر بیٹھ گیا۔ "کوئی بھی عادل میاں! اس بار مجھ دیاں نہیں لائے؟" مولوی صاحب نے بہت بیار سے عادل سے پوچھا۔

"لائیں جیں جہنڈیاں بھی اور دیئے بھی۔ دادا جان کے ساتھ جاؤں گا لینے۔" عادل جھٹ سے بول۔

"یہ ڈلن ہم نے بہت سی قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے عادل بینا! اپنی جان، مال، آبر و سب لانا کریں بیارا! ڈلن مصالح کیا۔ اور پھر قربانی تو وہی ہوتی ہے جو مک پسند چیز کی رضاوی غیرت سے دی جائے۔ پوری خوشی سے پورے دل سے، ناگواری کی ٹکن بکھ نہ آئے تھے پر۔" مولوی صاحب دستھن پر اثر لے گئے میں بول رہے تھے۔

"یاد ہے آپ سب کو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی رضا کے لیے

کامل

ارسان اللہ خان

آؤ تم سب محلیں کھل
ہوگی پھر سے دنم بدل
ہرا سندھ گوبی چدر
مچھلی ہے پانی کے اندر
پائے کی پیالی چشم چشم کھلیو
مادم ہتھی یا پھر کھوکھو
تیراکی یا تیر اندازی
آقاصی چھٹی کی عنت ہے پیاری
کھلیل سے آجاتی ہے چھتی
دور سب ہی ہوتی ہے سستی
موپاں پر گیم جو کیلے
کیسے پھر وہ بھرتی لکھے
شام کو سکھر سے باہر نکلو
باغ میں جاکر کھلیو کوڑو
کرکٹ و دالی بال یا ہاکی
کھلیل مل کر سارے ساتھی
کھلیل کوڈ میں لڑنا کیا
بھکڑوں میں یوں پڑنا کیا
ہو جائے گر ہار ہماری
آئے گی اپنی بھی پاری
کھلیل کوڈو ہرے اڑاؤ
سب میدانوں پر چھاتے جاؤ

پورے دل سے اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربانی کے لیے پیش کرو یا تھا۔ کس طرح عزیز از جان بیٹے کی گروہن پر بھری رکھو دی تھی۔ اور بیٹا بھی ایسا فرمان پردار کہ ہاپ کے حرم کے آگے فوراً راضی۔ تو قربانی وہی ہے جو پوری رضاہ رغبت سے ہو۔ پیش کردیں کہ دل میں نارانگی ہو، متنہ بسوار ہو۔ کیوں عادل میاں، حیک کہہ رہا ہوں؟ ”مولوی صاحب نے عادل میاں کا گال بیار سے کھینچا۔

”جی مولوی صاحب“ عادل نے جواب دیا۔
”وادا جان؟ جہنڈیاں اور دینے لینے چلیں شام کو؟“ کھلی بھی جانی ہے۔“ گمراہ پس جاتے ہوئے عادل دادا جی کا ہاتھ پکڑے پکڑے بولا۔
”صرف جہنڈیاں اور دینے کیوں؟ ہم آج ”بلو“ کو خریدنے بھی چلیں گے“ دادا جی نے جواب دیا۔

”چج دادا جان؟“
”بالکل چج!“ دادا جی نے جواب دیا۔
انہیں سمجھا گئی تھی کہ قربانی کا اصل مفہوم کیا ہے۔ قیام پاکستان کے وقت انہوں نے اپنے دو مزید از جان دوست قربان کر دیے تھے۔ راجا اور ملکر، ملکری گما تھا پر دوستی اور دوست سرحد پار رہ گئے تھے۔ قربانی تو انہوں نے وہی پر رضاہ رغبت سے پیش، بہت سال دل ہی دل میں ہارہش رہے اور کبھی بیتل تھریہ اگراب دہ جان گئے تھے۔ قربانی وہی افضل ہے جو دل دجان سے دی جائے۔ دادا اور پتا دنوں مکارا رہے تھے۔ کیونکہ آن کی سوچ نے آجالوں کے سفر میں تھی۔☆☆

پنچ

ایک امیدوار توکری کے لیے انتزدیو دینے جاتا ہے اور وہ تقریباً ہر سوال کا جواب فیکٹ طریقے سے دیتا ہے۔ انتزدیو کے آخر میں انتزدیو لینے والا شخص پوچھتا ہے:

”اچھا یہ بتاؤ“ گاپوچی گاپوچی گم گم کا مطلب کیا ہے؟“
امیدوار (مایوسی سے): ”اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے یہ توکری نہیں مل سکتی۔“

ایک پنچ کو کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ چھتی کے لیے کیا غدر جوش کرے، پھر اس نے استاد کے سامنے چھتی کی درخواست رکھی: ”مجھے اپنے دادا کی شادی میں شرکت کے لیے چھتی چاہیے۔“

استاد (حیرت سے): ”وہاں عمر میں شادی کیوں کر رہے ہیں؟“
پنچ (صعوبت سے): ”وہ خود نہیں کر رہے سو، میں زبردست ان کی شادی کرو ارہا ہوں۔“

س: عام طور پر دن کے کس وقت لکھتی ہیں؟
ج: ”دون میں لکھتے کافی وقت مختصر نہیں ہے۔ جب بھی کہانی ذہن میں آتی ہے لگہ ذاتی ہوں۔ بہاں تک کہ رات کے وقت بھی اگر دل چاہے تو لکھ لتی ہوں۔“

س: آپ کے لیے لکھنے کا سب سے مشکل حصہ کیا ہے؟
ج: ”مخفی کہانی کا اختتام کرتا ہو تو مشکل لگتا ہے، اس کے اختتام کو ترتیب دینا۔“

س: کیا آپ اپنے قارئین کو سچی ہیں وہ کیا کہتے ہیں؟
ج: ”میں ابہت وفید قارئین اپنے خطوط میں کہانیوں کی پسندیدگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ تو سن کر خوشی ہوں۔ سب کو الحمد للہ اپنی آتی ہیں میری کہانیاں۔“

س: موسم کون سا پسند ہے؟
ج: ”تجھے خزان کا موسم بے حد پسند ہے کیونکہ اس میں نہ کرمی ہوتی ہے ناعی سردی بہت سہانا سماں ہوتا ہے۔ درختوں کے جھروتے ہوئے پھیلنے کے لئے اور میری سا نگر و بھی خزان کے موسم میں ہی آتی ہے۔“

س: بیٹھ فریڈ کون ہے؟
ج: میری سب کہانیاں میرے لیے بہت اہم ہیں۔ بیہاں کچھ خاص و دستوں کے نام لکھ رہی ہوں مصباح، انساء، حفت، عائش، لمبیا، آٹھ، رباپ، فاطم، ہرودج، اور بھی بہت ہیں لیکن یہ خاص ہیں اور سب سے اچھا مشورہ ہر بات میں جو تجھے دیتی ہے وہ مصباح دیتی ہے اور ہر چیز میں پسپورٹ کرتی ہے، جو صد بر حالتی ہے۔

س: اپنی کوئی اچھی بات ہے؟
ج: ”میری اچھی بات یہ ہے کہ میں بہت صاف دل کی ہوں۔ کسی سے ہر افسوس نہیں ہوتی اور اگر جو جاؤں تو جلدی مان جاتی ہوں۔“

س: کوئی انسکی چیز ہو چکتی ہے کہ تھیک ہو جائے؟
ج: ”میں چاہتی ہوں کہ دنیا سے نفرت اور منافقت بیویٹ کے لیے ختم ہو جائے۔ سب پیار و محبت سے رہیں۔“

س: پسندیدہ استاد کون ہیں؟
ج: میری پسندیدہ استاذیں فربانہ ہیں جو لکھن کی لپچر ہیں۔ اس کے علاوہ مس سعدی اور مس فوریجی بہت پسند ہیں۔

س: سب سے پہلے تو اپنا تعارف کرائے؟
ج: ”السلام علیکم! میر احمد نام سیدہ اقراء ایضاً ہے۔ بابا کا نام سید ابیاز احمد ہے۔ عمر 14 سال ہے۔ تو میں جماعت کی طالبہ ہوں اور مسلمان ایک لاٹی استوڈنٹ ہوں۔ پیوں کے لفڑ رہ ساکل میں تسلسل سے لکھتی ہوں۔“

س: آپ کو لکھنے کے لیے کس جگہ نے مذاہلہ کیا؟
ج: بیکنن سے کہانیاں سننے کا بہت شوق تھا۔ جب جھوٹی تھی تو میں کہانیاں پڑھ کر سناتی تھی۔ جب پہلی جماعت میں آئی تو دادا توہبل لاکر دیا کرتے تھے۔ دادا کے انتقال کے بعد بابا باقاعدگی سے لانے لگے اور الحمد للہ انہیں تھک لاتے ہیں، سارے رہ ساکل میں میں جتنے بھی آتے ہیں۔ رہ ساکل کو پڑھ کر میں کہانیاں لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔

س: آپ کب سے لکھ رہی ہیں؟
ج: ”میں مارچ 2021 سے باقاعدہ لکھ رہی ہوں الحمد للہ۔“

س: کیا آپ بیوی سے مدد فراہم کیتی تھیں؟
ج: ”میں اپنے شوق تو یہی ہے کہ متفہیل میں بھی لکھوں گی۔ انش اللہ اپنے اولیٰ سفر کو چاری رکھتا ہے۔ پڑھائی کی وجہ سے مصروفیات بڑھتی ہیں۔ لکھن کم ضرور کر سکتی ہوں لیکن بندہ بھی، انش اللہ۔“

س: آپ کے خیال میں تحریر کے سب سے اہم عنصر کیا ہے؟
ج: ”میرے خیال میں ایک اچھی تحریر میں سب سے اہم پلاٹ کا اچھا ہوتا ہے۔ اور اچھے مکالمے بھی کہانی میں ایک اہم کردار دار کرتے ہیں۔ کہانی اس طرح کی ہوئی چاہئے جس کو پڑھتے ہو قاری بوریت محسوس نہ کرے۔“

س: سب سے پہلے کیا آتا ہے پلاٹ یا کرواڑ?
ج: ”سب سے پہلے میرے ذہن میں پلاٹ آتا ہے پھر کرواڑ کو ترتیب دیتا ہوں۔“

س: آپ نے خود کو پہلی بار لکھاری کب سمجھا؟
ج: ”جب مجھے پہلی دفعہ کہانی لکھنے پر اعزازی رسالہ۔“

س: اپنی تحریری جگہ کی وضاحت کریں؟
ج: ”تجھے خوشی ہے کہ لوگ مجھے پہچانتے ہیں ایک لکھاری کی حیثیت سے جس سے خوشی محسوس ہوتی ہے۔ الحمد للہ ایسہ الشفاقتی کا کرم ہے وہ میری تو کوئی جگہ نہیں ہے۔“

باتوں باتوں میں

”باتوں باتوں میں“ ہماری آج کی مہمان افسگر کی سب سے کم عمر لکھاری اقراء ایضاً ہے
میں۔ آئیے ان کی میمی میمی باتیں سننے ہیں۔



شیفٹانی

فرزین لہرنا

عیدِ نجحی کے موقع پر گھر میں قربانی کے بعد خوب گوشت پڑا تھا۔ شیفٹانی کہاں آرام سے میختنے والی تھی۔ اسے نت فنی ترکیبیں سوچ دیتی تھیں۔ اس نے گوشت آٹھا یا اور بار بار بیکو بوٹی بنانے کی تھانی۔ سب سے پہلے شیفٹانی نے بار بار بیکو بوٹی کے تمام اجزاء اکھنے کیے اور پھر بار بار بیکو بوٹی بنانے میں مدد ہو گئی۔ آئیے ہم بھی شیفٹانی کے ساتھ عمل کر بار بار بیکو بوٹی بنانے کی تیاری کرتے ہیں۔

ترکیب

سب سے پہلے شیفٹانی نے گوشت کو دھونکر سب مصالحے لگا کر دو گھنٹے کے لیے فرنچ میں رکھ دیا وہ گھنٹے بعد گوشت کی بونیوں کو تنگوں میں پروکر دو توں طرف سے کوکوں پر سرخ کر لیا اور اس پر برٹس کی مدد سے آئل بھی لگا دیا۔ جب گوشت گل کیا تو شیفٹانی نے خوبصورتی پلیٹ میں بونیاں رکھیں لپچے دار پیاز کاٹ کر پلیٹ کی سائینڈ پر جائے ایک شماز کو گول گول کاٹ کر پلیٹ کی وہ میسی سائینڈ پر رکھا اور ہری چینی اور شماں لپچے کے ساتھ ہرے سے کھایا تو کبھی بھی آپ کو یہ ترکیب ہریدار ہے؟

اجزاء	گوشت (بچوٹی بوٹی)
آدھا گلو	
اورک کا پیٹ	
ایک چائے کا چینی	
ایک چائے کا چینی	
ہبھن پیٹ	
ہری مرچ (بچی ہوئی)	
گوشت گل کاٹنے کا پاؤڑ	
ایک کھانے کا چینی	
سب زائد	
نہک	
سرخ مرچ	
چاسو کھاو جانا	
ایک چائے کا چینی	
ایک چائے کا چینی	
زیر دیا کاؤڑ	
دو چکنی بھر کے	
تمن کھانے کے چینی	
لیموں کا رس	
آدمیا کپ	



”ڈاکٹر صاحب ایمیرے موبائل سے کال کر لیں۔ تب تک میں مردم کی لاش کو باہر نکالنے میں باقی افراد کی مدد کرتا ہوں۔“ ڈاکٹر جہاگیر نے شفیق سے موبائل پکڑا اور شکریہ ادا کرنے کے بعد اولکل تھانے میں اطلاع دینے کے لیے کال ملانے لگے۔ اس دوران لاش بھی گاڑی سے باہر نکال دی گئی۔

”آپ سب پیچھے بت جائیں، مجھے اپنا کام کرنے دیں۔“ ڈاکٹر جہاگیر نے لاش کے قریب جا کر کہا۔

”ڈاکٹر صاحب ایمیرا خیال ہے کہ آپ پولیس کا انتظام کر لیں۔ لاش کے ساتھ چیزیں چھار کرتا سمجھ نہیں ہوگا۔“ ایک شخص نے توکا۔ اس کی بات سن کر ڈاکٹر جہاگیر سکرا دیئے۔ اسی لمحے میں میر نے ان صاحب کو جواب دیا:

”انکل اہمار سے بابا جانی صرف ڈاکٹر ہیں بلکہ فرانز ڈاکٹر ہیں اور کرامہ برائی میں انویسی کیلک آئندہ ہیں۔ آپ دیکھنا پولیس آنے سے پہلے ہی بابا جانی اس حادثے کے بارے میں کافی کچھ معلوم کر لیں گے۔“

”اوہ اچھا۔“ وہ آدمی پیچھے بہت لیا۔

”میں اسیں۔۔۔ پیچھے اسیں۔۔۔ میں ڈاکٹر ہوں، مجھے پیکھنے دیں۔“ ڈاکٹر جہاگیر تیزی سے ڈرائیور بیٹ کی جانب بڑھے۔ میزیر، سارم اور نفیب بھی ان کے پیچے بھاگے۔ اور گرد کھلنے والے چھوٹوں کی طرح ایکیڈٹ ہوا ہے، لگناہیں کوئی پچاہو۔

ڈاکٹر جہاگیر نے گاڑی میں موجود ہے جان جنم پر ایک نظر ڈالی اور پھر نولے لگے۔ نہن ساکت تھیں۔ گاڑی چلانے والا موت کی وادی میں عاچپا تھا۔ مرنے والے کی مرپناہیں حال کے لگ بھک تھیں۔ وہ پیچے بیٹے اور لوگوں طرف دیکھ کر کہنے لگے:

”ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ لاش برائی طرح گاڑی میں پھنس پھکی ہے۔ آپ مذکور ہیں کہ لاش باہر نکالی جائے۔ میں پولیس کو اطلاع کرتا ہوں۔“ ڈاکٹر جہاگیر تھوڑا پیچھے بیٹے اور ٹراؤزر کی جیبوں پر ہاتھ دکر موبائل تھاش کر لے لگے۔ موبائل نہ یا کسی نصیبی خیال آیا کہ وہ تو۔ ایکیڈٹ دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور موبائل ہوٹل کے کمرے میں رہ گیا تھا۔

”اسی کے پاس موبائل ہے؟“ ایمیر اسکے پاس رہ گیا تھا۔ ”ان کے سوال پر شفیق نے قریب آ کر بولا:

رنگ ماسٹر

قطع نمبر 2

احمد نعیمان شفیق



”بیتا توں آپ میں سے کسی نے دیکھا کہ یہ حادثہ کیسے ہوا؟ گاڑی اچاک کیسے کھائی میں جا گری؟“ ڈاکٹر جاتنیئر نے بلند آواز میں حاضرین کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”تی امیں نے دیکھا تھا۔ وہ سامنے میرا بڑک کے کنارے پر چائے کا چھونا ساہول ہے۔ میں کچھ دیر پہلے چائے بتا رہا تھا، میرے سامنے سے یہ کار بہت جیزی سے گزری۔ آگے اور پیچے کوئی اور گاڑی بھی نہیں تھی۔ اچاک سے آواز تھی اور دیکھا کہ کار کھائی میں گر رہی ہے۔ اس وقت سڑک پر کوئی روری ساری بھی نہیں تھی۔ میں خود بہت جیز ان ہوا کر اچاک کیسے کار پر نہیں تھی۔“ شفیق نے اپنے ہوٹل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

”یہ تو میں بھی سوچ رہا ہوں کہ سڑک پر بریک کے نشانات نہیں ہیں۔“ تی اسی ہوٹل کے نیرس سے کار پیچے کرتے ہوئے دکھائی دی، لیکن آس پاس، آگے پیچھے کوئی اور گاڑی نظر نہیں آئی۔“ ڈاکٹر جاتنیئر کی آنکھوں میں محبت ای بھجن تھی۔

”کہیں ایسا تو نہیں کہ مقتول پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور کار کا اسٹریکٹ انجانے میں باسیں طرف منتگھیا ہو؟“ سارم نے پوچھا۔

”ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ ابھی یہ کہو نہیں کہا جاسکتا۔“

انتہی میں طیب بھی وہاں آگیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ڈاکٹر جاتنیئر کا موپاکل اور دوسرا ہاتھ میں معیز کا سرہ تھا۔ جبکہ کندھے پر جاتنیئر کا ایپ ناپ، ہنگ لٹک رہا تھا۔

”میں! میرا کمروں میں لے آئے؟ کیا وہ یہ یویا فتوٹو بنا لی ہے؟“

”خوبی۔۔۔۔۔ ایک دنیہ بودھی دکھائی ہے۔“ میں نے معیز کو جواب دیا۔

”اور ہبایا جاتی کا ایپ ناپ کیوں اخلاعے؟“ سارم نے سوال کیا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیا، ڈاکٹر جاتنیئر کی یہ جوش آواز میں دکھائی دی۔

”اوہ میں سمجھ گیا۔ جس وقت یہ اکیلیت ہوا، کہہ رہ آں تھا اور تم وہ یہ بنا رہے تھے۔ جائے خادم تھماری پشت پر تھا۔ ضرور مادھی کا مظہر کسرے میں تھوڑا ہو گیا۔“

”اڑے وادے! شاید اس طرح اسیں کچھ سراغل سکے کہ یہ حادثہ کیسے جیس آیا۔“ سارم کا چڑھہ کھل اخلاع۔

”چلو میری ویڈیو کی روکاروڑنگ کی کام تو آئے گی۔“

”آپ میں سے کوئی اور پکھہ بتا سکتا ہے؟ کوئی ایسی بات جو ہماری مدد کر سکے۔“

ڈاکٹر جاتنیئر نے ایک بار پھر سے یا آواز بلند پوچھا۔ وہ سب ایک دوسرا کی طرف دیکھنے لگے۔ سب کے انداز سے ایسا لگ رہا تھا کہ کسی نے بھی کچھ خاص نہیں دیکھا۔

”لیکن ہے آپ سب جانکتے ہیں۔ باقی کے معاملات لوکل یو یس اور ہم دیکھ لیں گے۔“ ڈاکٹر جاتنیئر کی رخواست پر تمحیح چلتے لگا۔ شفیق اور اکرم اپنے ہوٹل کی طرف بڑے گے اور باقی افراد نے بھی اپنی راہی۔

”معیز اور یہ یو چلا کر دکھاؤ۔“ ڈاکٹر جاتنیئر کا حکم من کر میں نے ایپ ناپ آن کر

”معیز! چیک اور پینٹ کی جیبوں کی جلاشی لو، شاید شاخنی کا رذی یا ذرا بیج گل لائس میں جائے، تاکہ مقتول کی شہادت ہو سکے۔ سارم اتم کار کی جلاشی لو، شاید کار کی رجسٹریشن کے کانڈاٹ میں جائیں۔ میں اتم واپس ہوٹل جاؤ اور میرا موپاکل لے کر آؤ۔“

ڈاکٹر جاتنیئر نے اپنے تینوں میتوں کو بدایا تھا۔ میں ہوٹل کی طرف ہل دیا۔ سارم کا رکی اور معیز لاٹ کے کپڑوں کی جلاشی لینے لگا۔

ڈاکٹر جاتنیئر گھٹی چڑھتے ہوئے سڑک کے اس حصے پر بیٹھ گئے جہاں سے گاڑی راڑ توڑتی ہوئی تھی گری تھی۔ اردو گز نظر دوڑا تی۔ مین روڑ، سروں روڑ سے تقریباً پالیں نہ اوجھی تھی۔ سڑک کے دوسری طرف بلند پیاز تھا۔ جس جگہ سے گاڑی یہ گری اس جگہ سے تھوڑے سے ناسیلے پر ہی ایک چھوٹی سی پیہاڑی شروع ہو رہی تھی۔ جوں سمجھ لیں کہ سڑک کا پیچونا ساحمند دوڑ پیہاڑوں کے درمیان تھا۔

جاتنیئر سڑک پر ہارزوں کے نشانات ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ لیکن بریک لگنے کے آثار نہیں تھے۔ ایسے گھوسی ہوتا تھا کہ گاڑی چلنے پڑنے ایک دم باسیں جانب سڑکی۔ پکھوڑ رہا تھا کہ کے بعد وہ برف پر چلتے ہوئے یہ پہاڑ آئے۔ اس وقت تک میں اور سارم اپنا اپنا کام کر پکھے تھے۔

”ہبایا جاتی احتقال کی جیب سے پرس طا ہے۔ اچھی خاصی لغدر قم موجود ہے۔“ شاخنی کا رذی ڈرائیور ہنگ لائس اور کریڈٹ کارڈ بھی موجود ہیں۔“ میں نے ایک کاٹ رنگ کا پرس چھاٹکیا کر کوپکڑا یا۔

”ان کا نام محمد شہزاد تھا۔ عمر سنتیں سال۔“ میں نے بتایا۔

”ہبایا جاتی گاڑی بھی محمد شہزادی کے نام ہے۔“ سارم نے گاڑی کی رجسٹریشن کے کانڈاٹ دکھاتے ہوئے بتایا۔

”سیٹ کے یہ پچھے سے موپاکل فون بھی ملا ہے لیکن نوت پکا ہے۔“ سارم نے ایک نوتا ہوا موپاکل فون ہوا میں لہرا یا۔

”اٹلی اکرم پاکیس کے آنے سے پہلے مقتول کی شہادت تو ہو گئی۔“

”م۔۔۔۔۔ میرا خیال ہے، سم کھال کر ہم اپنے موپاکل میں ڈالتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ سم میں یکوئی نہر محفوظ ہوں۔ اسی طرح محمد شہزاد کے لوٹھین کو اس نا آجیانی حادثہ کی اطلاع دی جا سکتی ہے۔“ میں نے اپنا خیال پیش کیا۔

”ہبایا اپ کے موپاکل لے کر آتا ہی ہو گا۔ آپ کہیں تو میں اس موپاکل سے سم کھال کر آپ کے موپاکل میں ڈال دیتا ہوں۔“ سارم نے کہا۔

”محبے کچھ کڑا برگلیتی ہے۔ جیسا ہم کہہ رہے ہیں، دیساں ہیں۔“ ڈاکٹر جاتنیئر کے پھرے پر پریشانی کے بادل مدد لانے لگے۔

”کہیں اگر ہو؟“

کے گاڑی کی ڈگی پر رکھا اور دینے یوں کو اپنے ہاتھ میں منتقل کر دیا۔

"بیبا جانی! اکیوں کے کار بہت دوستی۔ صاف صاف دیکھنے کے لیے ہمیں ایک سرف

ہسپت پر چلا ہے گا۔ میں زدم اگر وہنگا گاہا کے حدائقے کا مظہر صاف دکھانی دے۔ ہم

موہاں پر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن اپنے ٹاپ پر بہتر انداز میں دیکھی جائیں ہے۔"

"میری بیٹا! اب آپ مجھے یہ باتیں سمجھاؤ گے؟" ڈاکٹر جہاگیر نے مکراتے

ہوئے میسر سے پوچھا۔ میسر شرم مندہ سماں ہوتے ہوئے بولتا ہے:

"نہیں بیبا جانی! میں تو ہم ایسے ہی بتا رہا تھا۔"

اس کے بعد میسر نے دینے کا مطلوب حصہ پلاڑایا۔ دینے کی صاف دیکھا جاسکتا تھا کہ شیدی کردار لایزیر فرناری سے آگے بڑھ رہی تھی کہ اچانک اسی سریجہ چنگک گیا اور اس نے اشیعہ گب بائیں طرف گھمادیا۔

"دینے یوں کیجیے کہ اندازہ ہو رہا ہے کہ سڑک خالی تھی، اسی لیے شہزادہ برق فرناری سے کار چلا رہا تھا۔ اچانک اس نے چون گلکتے ہوئے کار کو بائیں طرف موڑنا چاہا۔ لیکن کار پر کنٹرول نہ کچھ کا اور کار کھائی میں چاگری۔"

"اب موہل یہ ہے کہ شہزادے سڑک پر ایسا کیا دیکھا کہ اسے کار موڑنا پڑی۔"

"جب کہ میں آگے پیچھے اور کوئی بھی سواری نظر نہیں آئی۔"

"ہو سکتا ہے کہ کوئی جانور جیسا کہ کتا یا گئی؟ اسے بھاگنے کی غاطر اس نے ایسا کیا۔" صارم نے اپنا خیال پھیش کیا۔

"نہیں! مجھے تمہیں لگتا کہ کوئی جانور ہو گا۔ صحیح تھی سردی میں کوئی بھی جانور لئنکی کوشش نہیں کرتا۔ اور اگر لئکن بھی تو سڑک کے پیچوں پیچی نہیں چلے گا۔ کتنے تینی اس وقت گرم مکھوں میں یعنی ہیں۔ جیسے کہ گمراہ، غارت یا پھر گاڑیوں کے پیچے۔" ڈاکٹر جہاگیر نے صارم کی تزویہ کی۔

"یہ تو پراسرار حسم کا حدائقہ ہے۔"

اُن وقت ان کے قریب ایک پوچھیں جیپ اور ایک ایم ٹیس آ کر رکی اور تمام ملے باہر نکل آیا۔ ڈاکٹر جہاگیر اس کے قریب گئے اور اپنا تعارف کروایا:

"میں ڈاکٹر جہاگیر کہ مران، سینزا نو ٹیکنی گینچ آفیس کرائم برائی۔"

"مرانا میں اسکے خاور ہے۔ آپ نے ہی فون کیا تھا؟"

"تی اہم سامنے ہوں میں تھیں ہیں۔ پکھدر پلے میں اور میرے بیٹے ٹیکس پر موجود تھے۔ ہماری آنکھوں کے سامنے ہی گاڑی کھائی میں گری۔ میں نے اپنے طور پر سراغ کا لئے کی کوشش کی ہے۔ مکتوں کا ہم محمد شہزاد ہے۔ آپ ان کے لواحقین کو اطلاع کروں۔"

"پکھدر بھی میں آیا کہ حدائقہ کیسے تھیں آیا؟" اسکلار خاور نے پوچھا۔

"نہیں! محالہ پکھ پر اسرا رہا گتا ہے۔ ہمارے پاس حدائقے کی دینے یوں ہی ہے۔"

"میسر! اویڈیو کی کالی بیانی تیار کر کے خاور کو دے دو۔"

"پراسرار کیوں؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔"

"میں شاہدین کی گواہی کے مطابق حدائقے کے وقت میں تو اس کار کے پیچھے کوئی سواری تھی اور تھی پہنچ سامنے سے آتا کھائی دیا۔ قریب ہی ایک چائے والا ہے۔ اس کی نظر کار پر تھی تھی۔ وہ خود بھی جان ہے کہ کار اچانک کیوں ڈگ کی گئی۔"

"سر ایجنٹ آپ کے خیال میں یہ حدائقہ قدرتی نہیں ہے بلکہ جان بوجھ کر کر دیا گیا ہے۔" خاور نے کہا۔

"ہاں اسی ریاضی بیال ہے۔"

اس کے بعد ڈاکٹر جہاگیر نے خاور کو تھاں تنقیبات بتادیں، مکتوں کے کانقدات بھی دیے۔ انہوں نے اس لئے کرچیل اگئی۔ سفید کروکا کے گرد ویلی پیٹی کا دیگی کیا تھا اور کوئی بھی غیر متعلق شخص کا کرے قریب نہ جائے۔ کار کفر اوزک ایب پہنچانے کے لئے ترک کا انعام کیا گیا۔ تمام تنقیبات کے بعد وہ چاروں اپنے ہوٹل کے کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔

.....

"بیبا جانی! اب ہمارا کیا پر گرام ہے؟" میسر نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ وہ اپنے کمرے میں نہ نہ کر رہے تھے۔

"مجھے لگتا ہے اب ہمارا آگے جائے کا پروگرام کیسل ہو جائے گا۔ بیبا جانی! نہیں اس کیس میں نالجھ جائیں۔" صارم نے اپنا خندش قابو کیا۔

"میں پیکھے اور سوچ رہا ہوں۔" میں نے سلاس پر ٹکھن ڈگنے لگاتے ہوئے کہا۔ ڈاکٹر جہاگیر نے چونکہ کریب کی طرف دیکھا اور پوچھا:

"کیا سوچ رہا ہے ہمارا بیٹا؟"

"شاپری قتل ہے۔ کسی طریقے سے شہزادہ کو دھیان پر لکھ کیا گیا۔ وہ گھبرا سکیا اور خوف میں آکر اسٹریک گھما دیا۔"

"ہاں مجھے بھی سکھا ہیا تھا لگتا ہے۔ میں نے خاور سے کہا دیا ہے۔ وہ جلدی شہزاد کے موہاں کا ریکارڈ لکھا لے گا۔ موہاں سے شاید پوچھیں کوئی سایہ سراغ مل سکے جو اس کی تھیں میں کام آئے۔" ڈاکٹر جہاگیر نے بتایا اور چائے کا کپ اٹھایا۔

"میرا سوال یہ ہے کہ کیا ہم اس کیس کی تھیں کریں گے یا اپنا تفریجی پروگرام جاری رکھیں گے؟" میسر نے ایک بار پھر سے سوال کیا۔

"ابھی پچھے کہنیں لکھا۔ فی الحال ابھی ہم سینکریں گے۔"

"لیکن یہ شہزادہ کیس ہے اور نہ ہی ہمارا شہر۔ اگر ہم اس معاملے میں زیادہ دل اہم ارزی کریں گے تو خاور اور اس کا عمل اس بات کو پسند نہیں کرے گا۔"

"ہاں! میسر! مجھ کہہ رہا ہے، خاور کے چہرے پر ناگواری میں نے بھی محبوس کی

تحتی۔ ”صارم نے تائید کی۔

”بaba جانی! کیوں نہ یہم محمد شہزاد کا موبائل نمبر راجح آپی کو بھجوادیں، وہ کال ریکارڈ کھولیں گی۔“ پہنچتا ہے کال ریکارڈ سے کوئی بات سامنے آجائے۔ ”نیب نے مشورہ دیا۔ ”بaba جان! کیوں نہیں، میں پانچ منٹ تک خاور کو فون کر کے شہزاد کا نمبر حاصل کرتا ہوں اور پھر رابع کو دینا ہوں۔“ یہ کل پولیس والے بہت لاپرواہ ہوتے ہیں۔ ”ای وقت ڈاکٹر جہاگیر کے موبائل کی نیلی نشانی دی۔ انہوں نے میز پر موجود تکین سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے نون انخیا۔

”ہیلو! میں اپنے پیکٹر خاور بات کر رہا ہوں۔ شہزاد کا موبائل نمبر میاہے۔“ میں نے اس کے گرد والوں کو طارع بھی دے دی ہے۔ ”بaba آپ کو بھوار رہا ہوں۔“

”بہت خوب پوست مارٹمی روپرٹ بھی مجھے لازمی بھجوانا۔“ یہ بتاؤ کہ شہزاد کا رہائشی ہے؟“

”وارا حکومت کا۔ یعنی آپ کے شہر سے ہی اس کا تعلق ہے۔“ تین گھنٹے تک اس کے گھر والے بیہاں پہنچ جائیں گے۔ تب تک املاش کا پوست مارٹم اور باتی کاروائی کیمکل کر لیں گے۔

”ٹھیک ہے ضروری کاروائی کر کے پوست مارٹم کے بعد لاٹ اون ٹھین کے ہوا لے کر دو، یہیں اب ہماری کرامہ برائی میں کارکنگ میں موجود ہو۔“

”جیسے آپ کا حکم۔“ خاور نے نون رکھ دیا۔

”ایک تو میں آپ کی ان باتوں سے بہت نااہل ہوں۔ کتنے عرصے بعد ہمیں تفریغ کا موقع ملا اور بیہاں بھی آپ نے یہیں اپنے ہاتھ میں لے لیا۔“ زیر بیکم نے ناراض ہوتے ہوئے غلوٹہ کیا۔

”نیکم! یہ حدیث ہمارے سامنے ہوا ہے۔ ہم پہلے ہی اس معاملے میں الٹو چکے ہیں۔ اب چیچے نہیں ہٹ سکتے۔“ اسی وقت اس کے موبائل کی میکج نون نشانی دی۔ خاور نے شہزاد کا موبائل نمبر اور ایڈریس کی میچا تھا۔ ڈاکٹر جہاگیر نے نمبر اور ایڈریس کے نمبر پر فارورڈ کر دیا اور پھر اسے کال ملانے لگے۔

”اسلام علیکم! ہمارا بعداً کہیں ہو؟“

”ولیکم السلام چاچوای کیا؟ آپ تو چھینیوں پر گئے ہے۔ اب دہاں بھی کوئی کیس ہا جو لگ گیا؟“ رابعہ بیرون کیمچ بھلی تھی اور ڈاکٹر جہاگیر کا متعدد بھی سمجھ بھلی تھی۔

”بaba! ابھی پکھو در پہلے ہماری آنکھوں کے سامنے ایک کارکا ایکیڈیٹس ہوا۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ ایکیڈیٹ کر دیا گیا ہے۔ اسی لیے چھان نینٹ شروع کر دی۔ تم اس موبائل نمبر کا کال ریکارڈ لکھو۔ شاید کچھ سراغہ مل سکے۔“

”جی ٹھیک ہے۔ میں اس آفس پہنچے ہی والی ہوں۔ جیسے ہی روپرٹ ملتی ہے آپ کو

تو نہ کرتے ہوں۔ کیا آپ واپس آ رہے ہیں؟“

”بaba! اب اس معاملے کا ساری تواریخ تو کا ناپڑے گا۔ تم کچھ دیر میں بیہاں سے لفڑے ہیں۔“ اس کے بعد ڈاکٹر جہاگیر نے کمال مختلط کر دی۔

”بaba! شہزاد کے بعد ایسی بیکٹ کرو، ہم واپس جیسیں گے۔“

”یعنی بیشکی طرح ایک بارہ بھر سے تفریغ بر باد؟“ صارم نے بتایا۔

”اور سر اولادگ بھی اب کام ویڈیو پوست کروں گا؟“ میکر نے اس لمحہ میں کہا۔

”تفریغ کے لئے ہم ایک بارہ بھر سے آسکتے ہیں۔ لیکن کام بہت ضروری ہے۔ اب جب تک بابا جانی یہ معاملہ حل نہیں کر لیتے، تو خود ہمیں سے نہیں گے اور دی ہمیں بیٹھے دیں گے۔ اس لیے چیزے بابا جانی کہہ رہے ہیں، ہمیں دیساں کرنا چاہئے۔“ نیب نے اپنے والد کے پیٹھ کی تائید کی۔

ٹھیک کے بعد روز بیت تھیم نے سامان بیک کیا اور وہ واپس دارالحکومت کی طرف پہنچ دیئے۔ تین گھنٹے بعد وہ اپنے گھر کے دروازے پر موجود ہے۔

”سامان اور رکھ کر تم تھیوں والہیں آجاؤ، سب سے پہلے ہم را بعد کے پاس جائیں گے۔ کال روپرٹ آپکی ہوگی۔“ ڈاکٹر جہاگیر نے ان کو پہنچ دی۔ وہ ذرا بیچھے بیٹھ پڑتے ہیں۔ برابر ہان چھے۔ اسے چھٹے بعد ان کی جیپ کرامہ برائی کی ٹھارٹ کی پارکنگ میں موجود تھی۔

.....

رات کے بارہ بھنگے والے تھے۔ چھٹے تین چار گھنٹوں سے بارش ہو رہی تھی۔ اسی وجہ سے سڑک بھی کیل تھی۔ عرقان بار بار گھری پر نظر روز ار باتھا۔ وہ جلد از جلد گھر را پس پہنچنا پڑتا تھا۔ وہ سڑے شہر میں یونگ اس کی تو قع سے زیادہ طویل ہو گئی۔ اس کا خال تھا کہ وہ سات بیجے میٹھ فلم کر کے دس بیجے ٹک گھر پہنچ چاہے گا۔ لیکن دس ماہ ہی نہ گئے۔ بارش کی وجہ سے اس کی کارکی رفتار بھی کافی کم ہو گئی۔ اب بارہ بج رہے تھے اور ابھی بھی کافی فاصلہ میں کرنا تھا۔ وہ شہر سے باہر نکل چکا تھا۔ سڑک اس وقت سنان تھی۔ اور گروکوئی بھی کافی دودھ رکھنے لگرئیں آرہی تھی۔ بارش بھی جنم بھی تھی۔ اس نے کارکی رفتار بڑھا دی اور ادو گرد نظر دوڑا تھا۔ ہو بیانی ہے پر کافی چلا تھا لگا۔ وہ ایک بس اسٹاپ کے قریب سے گزرا۔ بس اسٹاپ پر ایک آڈی موبائل استعمال کرتا ہوا نظر آیا۔

”شاید کسی سواری کا انتھار کر رہا ہو۔“

عرقاں نے اس آڈی کو دیکھتے ہوئے دل میں سوچا۔ اسی لمحے اس کے موبائل پر ایک سچ آیا۔ اس نے سچ پڑھنے کے لئے الگی اسکرین پر کاٹی۔ اچاک اس نے بہیک دکاوی۔ کافی سچھل شکی اور قلا بازیاں لگاتی ہوئی دور جا کری۔ سیٹ بیٹھ دھونے کی وجہ سے عرقان وہ اسکرین سے گلرا تباہا دوڑ جا کر اور اس کی آنکھوں کی شمع بھگئی۔

☆.....☆

پر در پے رکا دنیں آری تھیں۔ وہ مایوسی کا ٹکارہور ہے تھے۔ ایسے میں ان کا واحد ہمارا امید ہی تھی جو ان کے دلوں کو یہ احساس دلاتی تھی کہ ایک دن آئے گا جب ان کی مشکلات فتح ہوں گی اور وہ کامیاب اور سرخوب ہوں گے۔

آج کا دن بھی امید کا صدر ہر تین دن تھا۔ اس دن کا آغاز ایک چوہہ گورت کے گھر سے ہوا تھا جو اپنے بیچ کو اسکول جانے کے لئے تیار کر رہی تھی۔ پیچ کی دردی پر انی اور بوجے ہوئے تھے۔ وہ اپنے بیچ سے کہ رہی تھی:

”میرے بیٹے! خوب دل لگا کر پڑھنا۔ ایک دن جیسی بڑا آدمی بٹتا ہے۔ پھر ہم اس جھوپنیزی کو چھوڑ دیں گے اور پلا مکان ہوا گیں گے۔ بس اب جلدی سے یہ رفتی چائے میں ڈبو کر کھالو اور جاؤ درندیر ہو جائے گی۔“

وہ گورت روز اسی طرح اپنے بیٹے سے باتیں کرتی تھی۔ جب وہ بول رہی ہوتی تو امید اپنے اپر منوں پوچھاتی تھی محسوس کرتی۔ وہ سوچتی اگر گورت کی خواہشات پوری نہ ہوں گیں تو وہ امید کا دامن چھوڑ دے گی۔ وہ اس سے بدظن ہو جائے گی۔ آڑوہ کیا کرے کہ اس کی تمام تمنا گیں پوری ہو جائیں۔ مگر اس کے پاس کوئی حل نہیں تھا۔ وہ تو بس امید تھی جو لوگوں کو کچھ نہیں کے لیے سہارا دے سکتی تھی۔ وہ انہیں کامیابی نہیں دلائی تھی۔ پچھلے چالا گیا تو امید جھوپنیزی سے نکلی اور بازار کا رخ کیا۔

اس پہلازی قبیلے میں جہاں درختوں پر پھولوں کے ٹکونے کھلتے اور ہوا معلق تھی، زندگی اتنی آسان نہیں تھی۔ وہاں لوگ سر جھکائے خاموشی سے آتے جاتے نظر آتے تھے۔ وہ بہت کم آپس میں بات کرتے۔ ان کی آنکھوں میں خوف اور نامیدی انکفر آتی تھی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا ان کی مشکلات میں بھی اشافٹ ہو رہا تھا۔ وہ غایی کے فکرخی میں بکڑے ہوئے تھے جو قربانیاں دینے کے باہم جو نہیں لوٹ رہا تھا۔

ایک اداشام جب لوگ جلدی گھروں میں مقید ہو گئے تھے اور سڑکوں پر دیرانی پھائی ہوئی تھی۔ بس کہیں کہیں بھاری بتوں والے آتشی بھیخاروں سے لیس چوکس کھڑے تھے۔ ایسے میں ایک ربلی پتی لڑکی فرکہ سونا کوت اور سر پر کٹوپ اوز سے، دلوں پا تھے باعث سے بیٹلی جا رہی تھی۔ اس کی نظریں زمین پر جھی جھیں اور قدموں میں تھن تھنیاں تھیں۔ وہ پہلازی راستوں اور گھیوں سے گزرتی کٹے ملا تے میں تکل آئی جہاں ایک دینی گھبل میں بے شمار کنوں کے گانبی پھول کھلے ہوئے تھے۔ وہ حکم کرایک بیچ پر بیٹھ گئی۔ وہ گہری سوچ میں گرم تھی۔ وہ امید تھی۔ کمزور اور لاچار لوگوں کا آخوندی سہارا۔ جوں روئے زمین پر آبادی بڑھ رہی تھی، امید کے کام میں بھی اشافٹ ہو رہا تھا۔ وہ دون بھر مصروف رہتی اور شام تک حکم کر چکر ہو جاتی۔ وہ لوگوں کی بڑھتی ضروریات، ان کی خواہشات اور ان کے ارمانوں کو دیکھ کر خود کو کمزور محسوس کرتی تھی۔ لوگوں کے کاموں میں

امید کا منتھان

جاوید بسام



تھے۔ ان کے بال اور دعاڑیں بڑھی ہوئی تھیں۔ وہ پکھدہ رہ پہلے ایک کارہائی کر کے آئے تھے جس میں ان کے دوسرا تھی شہید ہو گئے تھے اور ایک رُخی تھا۔ انہوں نے ایک پل پر حمل کیا تھی تکروہ اسے تباہ کرنے میں کامیاب تھیں ہوئے تھے۔ وہاں بہت سخت پھرہ تھا۔ شاید تحری ہو گئی تھی۔ انہوں نے دشمن کو سخت لقصان پہنچایا تھا۔ پھر انہیں پہاڑوں پر ایک آئے تھے۔ اپنے رُخی ساتھی کو لے کر گل آئے تھے۔ اس کے پیٹ پر گوئی تھی۔ وہ درد سے کراہ رہا تھا۔ اب وہ آپری یعنی کی تیاری کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی اس کام کو چاہتا تھا، باقی اس کی مدد کر رہے تھے۔ انہوں نے ولی طریقے سے آپری یعنی شروع کیا۔ مجرموں کے منہ میں ایک پیٹ انہوں دیا گی تھا۔ اس کا پھرہ تکلیف کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا اور اس پر پانی کی طریقہ پیشہ بہہ رہا تھا۔ آفر آپری یعنی کامیاب ہوا۔ اسے دو اکھلاقی کمی اور وہ کرہتہ ہوا سوگیا۔ سب تھک کر غار کی دیواروں سے ٹک کر جیٹھے گئے۔ ان میں سے ایک آدمی بہت مایوس تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ آج کا دن بہت برا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں ناکام ہوئے تھا اور انہوں نے اپنے دوسرا تھی بھی کھو دیے تھے۔ تیر رُخی تھا۔ اس کا پچھا بھی مشکل تھا۔ اگرچہ انہوں نے غار میں پناہ لئی تھی، لیکن وہ جاننا تھا کہ کھوئی کتنے ان کی بوسوگتھے شاید کل تک یہاں پہنچ جائیں گے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ وہ تھاد کو میں زیادہ ہیں۔ وہ ہمیں گھر کر مار دالیں گے ہم شہید ہو جائیں گے۔ ہمارے مقصد کو تھان پہنچے گا۔ اسے مایوس دیکھ کر امید نے فوراً انہا کام شروع کیا۔ اس نے کہا دیر تھک مقابلہ کرنا، جس دیکھو پہنچا مشکل ہے تو شہید ہماں کے پیچھے سے فرار ہو جانا اور ہو سکتا ہے وہ یہاں تک پہنچتی نہ پائیں۔ کھوئی کتنے ہر بار کامیاب نہیں ہو جے۔ ایک دن تمہاری محنت رُنگ لائے گی۔ لاؤ آزادی کی فضا میں ساسیں لیں گے۔ ہر طرف اہم اور سکون کی گھنٹیاں بھیجیں گی۔ سب ایک دوسرے کا خیال رکھیں گے۔ غلہ کی رات فتح ہو گئی اور آزادی کی ایک نئی صبح روشن ہو گئی۔ لاؤ جھیں سر آنکھوں پر بخاہیں گے۔ یہ سب سوچ کر وہ مطمئن ہو کیا۔ اس کے دل میں امید نے سکون بھردیا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور سمجھدیں ہیں گویا۔ امید بھارتی قدموں سے غار سے باہر نکل گئی۔

اب اس کے قدم ستر قاری سے اٹھ رہے تھے۔ وہ خود مایوس کا ٹھکار تھی۔ وہ جوں چانچی تھی کہ وہ تن باتوں کی امید دلا کر آئی ہے وہ پوری بھی ہوں گی یا نہیں؟ وہ واپس اسی راستے پر چلتی رہی۔ پہاڑوں سے اتر کر جنگل میں آئی، پھر کھیتوں کے درمیان سے گزرتی آبادی میں آٹھی۔ بکر وہہاں بھی نہیں رکی اور بازار سے گزرتی جیل کی طرف پڑی گئی۔ جہاں وہ اب اس پیٹھی اپنی سوچوں میں گھم تھی۔ اچاک کسی آلبی پر رہے نے جیل میں ذکری کیا اور اپنی پیٹھی میں پکھوڈ بکرا رکیا۔ وہ چھک کر اسے دیکھنے لگی۔

وہ افق پر سورج ڈوبنے والا تھا۔ آسمان کا رنگ تاریخی ہو رہا تھا اور جیل پر کنول کے گابنی پھول دور تک پھیلے تھے۔ امید بایوں اور دل گرفت پیٹھی تھی۔ وہ ان لوگوں سے

جب وہ بازار پہنچتی تو اس نے دیکھا کہ ہا کر لگا ہوا ہے اور بھارتی بلوں والے ہر دکان کی جلاشی لے رہے ہیں۔ دکاندار ناکواری سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد بہت والے ایک دکاندار کو پکڑ کر لے گئے راستے کھول دیا گیا۔ وہ سرے دکاندار جلاشی کے درمیان اٹ پلٹ ہو جاتے والے سامان کو درست کرتے گئے۔ اب کام بھی آنا شروع ہو گئے تھے۔ امید نت پا تھوڑ پر آگے بڑھتے ہوئے لوگوں کے ڈاہن پڑھ رہی تھی۔ جو مختلف پر بیٹائیں میں گرفتار تھے۔ وہ ان کے دلوں میں امید کا یار و شر کرتی چاہ رہی تھی۔ وہ انسانی آنکھ کو نظر نہیں آتی تھی۔ لیکن لوگ اسے اپنے درمیان جلد محسوس کر لیتے تھے۔

چلتے چلتے وہ ایک پرانی دکان پر پہنچی جو جھفر فوج کی تھی۔ وہ بیڑیاں چڑھ کر اپر کمی اور ایک تپائی پر رک کی۔ جھفر ایک یہ پ جلاعے پکھوڈ کام کر رہا تھا۔ اس کا ہاتھ دیہر سے دیہر سے جلا رہا تھا۔ وہ آنکھیں بھنپتے سوچی دھانے سے کوئی تکلی بولے بن رہا تھا۔ وہ بہت بڑھ رہا تھا۔ اس کے پر موئی توپی تھی۔ جس میں سے غنیمہ بال جھاک رہے تھے اور جہاڑہ جھریوں بھرا تھا۔ اس کی عمر کا اندازہ نہیں ہوتا تھا تک اس کی جھونوں بھی سیدھے ہو گئی تھیں۔ امید نے آہ بھر کر اسے دیکھا۔ اس کے دل میں رحم ادا آیا تھا۔ جھفر کی ہمرا رام کرنے اور اللہ اللہ کرنے کی تھی، لیکن اسے محنت کرنی پڑ رہی تھی۔ کی سال قبض اس کا بیانہ جو جہاد آزادی میں شہید ہو گیا تھا۔ اب دو بیڑیاں شادی کی مرکوچنچی گئی تھیں۔ انہیں رخصت کرنا تھا۔ اس کے لیے پیسوں کی ضرورت تھی یہ کس کی آمدی دل بین کم ہوئی چاری تھی۔ وہ اور یوں بیمار رہے تھے۔ یہ سب سوچیں جھفر کے ڈھن میں پیدا ہو رہی تھیں اور یوں سے اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ امید نے فوراً اپنا کام شروع کیا۔ اس نے جھفر کے دل میں ڈالا کہ جلد ہی سب ہیک ہو جائے گا۔ ہر دن کا انتظام ہوتا ہے۔ مصیبت کی یہ گھریاں بھی گز جائیں گی۔ ایک دن تم شان دشکوت کے ساتھ اپنی بیٹیوں کو رخصت کرنا۔ مگر کس طرح؟ جھفر نے سوال کیا۔ تم دکان پیچ دیا اس سے کافی رقم حاصل ہو گی۔ تم آرام سے شادیاں کر سکو۔ باتی رقم سے کوئی چھوٹی جگہ لے کر یہ کام کرتے رہتا۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ہمارا کیا ہے ہم بڑھا بڑھی جلد مر جائیں گے۔ ہم نے بہت دنیا دیکھی ہے۔ یہ جھفر نے خود ہو چاہتی۔ جھفر کی اس بات پر امید رنجیدہ ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ جھفر اپنا اور صراحت سے پانی نکال کر ڈیا۔ اب وہ پکھوڈ توانا نظر آ رہا تھا، پانی پی کر وہ دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اور جیزی سے ہاتھ چلانے لگا۔ امید کا کام پورا ہوا تو وہ واٹھی اور دہاں سے باہر نکل گئی۔

اب وہ بازار سے نکل کر آبادی میں آئی تھی۔ جہاں چھوٹے بڑے مکان تھے۔ بگ دو وہاں رکی نہیں اور ان کے درمیان پیٹھی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ آٹھ آبادی ختم ہو گئی۔ اب وہ کھیتوں اور باغوں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ وہ ختم ہوئے تو جنگل شروع ہو گیا۔ وہ پیٹھی رہی اور پیٹھی میں اس توں سے ہوتی درختوں کے ایک سچ میں جا پہنچی جہاں ایک نار میں کچھ پلک نظر آ رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اندر گئی۔ چھوٹے سے غار میں پار لوگ موجود

جنگل میں کرکٹ

رفق احمد خان

جنگل میں ایک دعوم بھی ہے
مل جل کے ایک نیم بھی ہے

ہیں کھلاڑی تو دو گیارہ
وقت ہوا ہے پونے گیارہ

بچالو پہنچا لے کر بنا
خوب بچا ہے بلہ گھنی

بندر بھی ہے خوب کھلاڑی
بچالو مانا ہے اناڑی

لوہر کی جب باری آئی
شیر نے اسکی بال کرائی

اسکی اس نے شارت لگائی
مارا بنا وکٹ گرائی

تالی تر تر خوب بھی ہے
دن ذھلا اور شام ہوئی ہے

کہہ کر سب نے رستہ ناپا
اچھا بیچ پھر ہوگا دوبارہ



ثر مندہ تھی۔ جنہیں وہ دن بھر دلائے دیتی رہی تھی۔ کیوں کہ وہ نہیں چاہئی تھی کہ ان کی آرزویں کبھی پوری ہوں گی یا نہیں۔ آخر وہ تھک کر اپنے رب سے دعا لکھنے تھی۔ اب سورج غروب ہو گیا تھا اور اندھیرا چھانے لگا تھا۔ نہ جانے کتنی دیر تھک وہ دعا لکھی تھی۔ اچھا کہ اس نے ایک بیوی کے دوسرے طرف بڑھتے دیکھا۔ اس کے سر کے گرد پچھتے جگنوں کا تاج تھا۔ وہ قریب آیا تو امیدا سے پہچان گئی اور خوش دلی سے بولی:

"میری بہن کا میاپی تم کیسی ہو؟"

"اللہ کا شکر ہے، میں ٹھیک ہوں! اگر تم اوس نظر آ رہی ہو۔" کامیابی بولی۔

"ہاں! میں لوگوں کو امید دلاتے والاتے خود ناامید ہو گئی ہوں۔ یہ یہرے لیے انتہاں کا وقت ہے۔" امید نے کہا۔

"یہ تو ابھی بات نہیں ہے۔ تمہیں ہست سے کام لینا پڑا ہے۔"

"میں کیا کروں؟ لوگوں کی تکفیں بڑھتی باری ہیں۔ میں انہیں جھوٹے دلائے نہیں دے سکتی۔"

"جوہلے کیوں؟ تم ان سے بھی شرچ بولتی ہو۔" کامیابی بولی۔

"مگر مجھے نہیں مل کا کہ ان کی آرزویں پوری ہوتی ہیں۔"

"زیادہ تر ہو جاتی ہیں۔ جو نہیں ہوتیں ان کے نہ ہونے کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ خر سنو، اس وقت یہاں آئے کا خاص مقصد ہے۔ میں تمام دن تمہاری سرگرمیاں دیکھتی رہی ہوں۔ میں حصیں یہ خوشخبری سنانے آتی ہوں کہ آج سچ تم جس جو محورت کے سکر میں گئی تھی اس کا بچہ ایک دن کامیاب انسان بنے گا اور اس کی سب تمناں میں پوری ہوں گی۔ دوپہر کو تم جس روگر کے پاس گئی تھی۔ بہت جلد اس کے حالات بدلتیں گے۔ وہ اپنی مظہروں کے فرض سے سکھ دیں ہو گا اور سہ پہر کو تم جن لوگوں کے پاس غار میں گئی تھی۔ وہ یہاں اور لوگ ایک دن اس سرز من کو شمن کے جنگوں سے آزاد کروانے میں کامیاب ہوں گے اور یہاں کے لوگ آزاد فضا میں سانس لیں گے۔"

"تم کچھ کہ رہی ہو؟" امید نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ماں! ایں جھوٹ نہیں بولتی۔"

"تمہارا بہت بہت ٹھکریا تم نے مجھ میں امید نو پیدا کر دی ہے۔ اب میں تھے جوش اور دلولے سے کام کروں گی۔ میں لوگوں کو حوصلہ دوں گی۔ پھر ایک دن ان کے تمام خواب پورے ہوں گے اور وہ دنیا میں اسکی بھجن سے رہیں گے۔"

"بس میری بہن، خوش رہو اور یوں ہی اپنا کام کر لیتی رہو۔" یہ کہہ کر کامیابی دہاں سے رخصت ہو گئی۔

امید بھی اٹھی اور جل دی۔ اس کی چال میں ایک نیا اعتدال اور حوصلہ تھا۔



چچا خواہ تواہ اور جگو میاں

چچا خواہ تواہ کی علاج کیلئے ڈنڈرا

عاکشہ اطہر

چچا خواہ تواہ بھن میں لینے ہاتھ کا پچھا جمل کر گری ختم کرنے کی کوششوں میں صرف تھے اور ساتھ لوڑ شیدنگ کرنے والوں کو کوں بھی رہے تھے۔ پاس ہی جگو میاں اپنی پریق پر بیٹھے چچا خواہ تواہ کو پوری توجے سے سن رہے تھے۔



"ارے جگو میاں امت نتای۔ چچا خواہ تواہ جگو میاں پر چائے۔ ایک تو شدید گری ہے دہراتم ہوتی کے موڑ میں۔" جگو میاں اپنے پیالے میں رکھی چونچ میں بھر کر چچا خواہ تواہ کے ذھول نما پیٹ پر رکھ کر دوبارہ اُز کا اپنی پریق پر بیٹھ گا تے۔

"میں باز آؤ گئے؟" جگو میاں! اب کی بارہ ری مریع کے گلوے چونچ میں بھر کر چچا خواہ تواہ کے پیٹ پر رکھ کر اُزے۔ "پوکے جگو ابد معافی نہ کرو۔"

بازگلی میں شو را خواهی بیچنے کا مکمل رہے تھے۔

”چلو پچا! ہم بھی کھیلیں“ جگو چالایا۔

”آٹھو پچا! ہم بھی کھیلیں“ جگو پچا کے اروگر داؤ تا ایک ہی بات بول رہا تھا۔

”ارے جگو میاں! ہم سے اچھا گلی ڈنڈا کون کھیل سکتا ہے اپنے وقت کے تینہن تھے ہم“ پچا مسند چڑا کر کے بولے۔

”آؤ چلیں!“ پچا خواہ خواہ نے جگو میاں کو اپنے کندھے پر بخایا اور بازگلی میں نکل گئے۔



بچے زور دشور سے گلی ڈنڈا کھیل رہے تھے۔

”ارے بھتی ایوں نیس کھیلتے۔ ہم بتاتے ہیں، اصل میں کیسے کھیلتے ہیں۔“ پچا گلی ڈنڈا لینے آگے بڑھے۔

”نہیں پچا آپ خواہ خواہ ہمارا کھیل بگاڑ رہے ہیں۔ ہمیں پڑھے کیسے کھیلانا ہے۔“

”ارے ادھارا تو“ پچا آگے بڑھے۔ یہ بکھریں پچا ایوں شارت لگاتے ہیں۔“ بچے نے شارت لگایا گئی اور تی ہوں پچا کی آنکھ میں گئی۔

”ہائے اچھوڑو! آنکھ“ پچا آنکھ پر با تھوڑکار بیجے بیٹھے گئے۔ خواہ خواہ گلی ڈنڈا سکھانے کے چکر میں پچا کی آنکھ اسی پھوٹ گئی۔ ہاہ، ہاہ، ہاہ

یہ آج سے بیتھیں سال پہلے کا واقعہ ہے جب ہم آٹھویں ہمایت میں زیر تعلیم تھے۔ ایک دن ہم قریبی بازار سے کچور سامان لے کر گھر کی طرف جا رہے تھے۔ ہم میں یہ ساتھ وابی گلی میں واپس ہوئے تو نوجانے کیا چیز ہمارے منے سے آنکھ رانی۔ ہم پر کھلا گئے اور ہمارے ہاتھ سے دودھ کا برتن خیچے گیا۔ ظاہر ہے جب برتن گرے گا تو دودھ بھی گرنے سے کیسے بچ سکتا ہے۔ جب ہمارے اوسان بحال ہوئے تو ہم نے اس چیز کا معائنہ کیا جو ہمارے چہرے مبارک سے کسی میڑاکی مانند کرائی تھی۔ یہ ایک نیس کی گیند تھی جس سے کچور کے کرک تکمیل رہے تھے۔ اب ہمارا غستہ میں آنا لازمی تھا۔ ”وکیجہ کرشات نیس مارتے، ہمارا سارا دودھ گر گیا ہے۔ کچلیت دت آنکھیں کھلی

عارف مجید عارف

اُنڈا کھڑک!



ہمارے قریب تاشائی تھی کا لطف اٹھانے پہنچ گئے تھے۔

وہ بیکھل شروع ہوا۔ پکھو دیر بعد ہم جہاں بیٹھے تھے اس طرف گیند آئی جس کے تھاں میں ایک کھلاڑی صاحب بھی بجا گئے ہوئے تشریف لائے۔ کھلاڑی کو قریب دیکھ سب سورجی تھے لگے۔ ہم نے بھی شور چانا شروع ہی کیا تھا کہ ایک بڑا ہوا کیوں ہمارے من پر آتا گا جو بہت خوب صورتی سے ہمارے چہرے اور کپڑوں پر تحریکی آرٹ کے شاہکار بنایا۔ ہماری تنی شرت پکھو زیر گنگی ہو گئی تھی۔ ہم نے رومال سے چہرہ صاف کیا اور خود کو شراک ہو گئے تھے یہ سوچتے تھے کہ یہ کیون ہمارے چہرے پر کیوں لگا۔ میں اگر بیچھے سے کسی نے کھلاڑی کو نشانہ بناتے ہوئے بھی مارا تھا تو ہمارے سر کے عینی دھنے پر گلنے پا چاہیے تھا۔ ذرا غور کیا تو یہ بات سمجھنی تھی کہ اور کی لشتوں پر بیٹھے تاشائیوں میں سے کسی نے کھلاڑی کو کیوں مارنے کی کوشش کی تھی مگر ہماری بد قسمی سے وہ کیوں دھوپ سے بچاؤ کے لیے لگائے گئے شامیانے کے پاس سے ٹکر کر ہمارے چہرہ شریف پر آئی۔ اس طرح ہم نے ہر عمل کے درمیں کامیابی بھی حاصل کر لیا۔ کھلاڑیوں کو قریب سے دیکھنے کے لیے وہ دین انکال کر چہرے سے کاغذی تھی کہ رابر بیٹھے ایک صاحب نے مانگ لی۔ پکھو دیر میں کھانے کا وقد ہو گیا۔ ہماری جب میں بہت کم پیتے تھے۔ اس لیے مجھ کے نام پر ایک بند کتاب کہ جس میں کتاب کی جگہ لامساں بیزار اور بھی تھی۔ کھالی اور ایک شرت کا گلاں پیا کر پہنچ کی آگ بھاٹی۔ مجھ کے بعد تھی شروع ہوا تو بہت سُنی خیز مقابلہ ہوا تھا۔ ایک ایک رن کے لیے بھی دو توں ٹھیک اپنی اپنی جان مار رہی تھیں۔ جلدی سخت مقابلے کے بعد پاکستان نے ایک دکٹ سے کامیابی حاصل کر لی۔ جیسے ہی سچ نہ تھا ہوا تاشائی تھی کہ جس کا جشن منانے میدان میں کھس کے۔ ہم بھی یہ سچ کر میدان میں داخل ہو گئے کہ کسی کھلاڑی سے آنکھ اٹکیں۔ ایک کھلاڑی کی پیٹھ پر ہاتھ مارا تھا کہ ایک آواز سنائی وی:

”ابے کیا لہذا ہو گیا ہے؟ ہم نے انہیں دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ کوئی کھلاڑی نہیں بلکہ سفید کپڑوں میں ملوس ایک تاشائی تھا۔ اسی وقت پہنچنے والے بھی میدان میں کوڈ پڑے اور تاشائیوں کو باہر لانے لگے۔ ہم بھومن میں گھرے ہوئے تھے اور باہر نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کہ ایک سپاہی کا اپنے ڈنڈے سے لگایا ہوا“ کوڑا رائج ہمارے بازو پر لگا۔ درد کی صورت میں مجھ کی یہ نٹانی لیے ہم دہاں سے روان ہو گئے۔ جب گھر پہنچنے تو اس حالت میں تھے کہ کپڑوں کا بر احوال ہو چکا تھا۔ جیل ٹولی ہوئی تھی۔ درد میں اور آنکھ رکب کا کچھ پاٹھیں تھیں۔ میں اس حالت میں بھائی جان نے دیکھا تو

کہنے لگے:

”آج کرک میچ دیکھنے کے لیے گئے تھے یا فری انسائیں کشتنی لڑنے گے تھے؟ ہم انہیں کیا جواب دیتے، چپ چاپ نظر پا کر درمی طرف لکل گئے۔ ہم

”مگر کھینچنے کے لیے تو میدان ہوتے ہیں دہاں کیوں نہیں کھینچتے؟“ ہم نے گویا ان کی معلومات میں اضافہ کیا۔

”بھی وہ ہمارے ملک میں اتنے میدان کپاں ہیں۔ اکثر پر قبضہ ہو چکا ہے اور جو باقی پڑتے ہیں ان پر بڑے لارکے کھینچتے ہیں۔“ وہی صاحب پھر سکرتے ہوئے بولے۔ تھار خانے میں طوپی کی کون سٹا ہے۔ سو اسی نے احمد و پارہ باز اگر گئے اور دو دوہے کر آئے مگر اب ہمارا راستہ دوسرا تھا لیکن جب ہم اس راستے میں آئے واہی ایک گلی میں داخل ہوئے تو یہاں بھی پہلے سے متاثراں سلوک ہوا۔ اس فرق یہ تھا کہ اس بار گیند نہیں بلکہ گیند کے تھا۔ میں بھائے ہوئے ایک فیلڈ صاحب خود آنکھ لگائے تھے۔ ہمیں معلوم تھا کہ یہاں بھی ٹھیکایت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اس لیے اب کی بارہم پیغمبر کی قسم کی بھی بھٹ کے سیدھے گھر چلے گے۔

ویسے تو کرکٹ کا یہ جنون پورا سال ہی رہتا ہے۔ ہر طرف ایسا ہی حال ہے۔ ہر گلی محلے میں کرکٹ کھیل جا رہی ہے۔ مگر آج تک کوئی نکل۔ پھر اتنی کرکٹ نہیں پاکستان آئی ہوئی تھی اور رسول نے پہ سہاگر یہ کہ ہمارے شہر میں بھی ان دونوں ایک نیست بھی کھیلا جا رہا تھا۔ اس لیے کرکٹ کا جنون پورے گروہ پر تھا۔

ہمارے پکھو دوست گزشتہ دو دوہے سے مجھ دیکھنے جاتے اور واپس آنے کے بعد ہمیں مجھ دیکھنے کا لطف اور تفریغ کے قسم تھے اور ہم سے اصرار کرتے کہ ہم بھی ان کے ساتھ تھیں دیکھنے چاہیں۔ مگر ہم نے صاف انکار کر دیا کیونکہ ہمیں ان سے اپنا بیب خرچ جو محفوظ رکنا تھا۔ اسی لیے ہم نے ان سے کہا کہ ہمیں جائیں گے۔ ہم تو آدم سے فی وی پر مفت تھیں دیکھیں گے۔ ہم نے انہیں توعیج کر دیا تھا مگر اب ہماراں بھی چاہ رہا تھا کہ مجھ دیکھنے اسی نہیں ہم جائیں گے۔

مجھ کے آخری دن خوب اپنی طرح سے تیار ہوئے۔ بڑے بھائی کی دور جان اور آنکھ رکب ساتھی اور رکنے میں پیٹھ کر اسٹینڈیم پہنچ گئے۔ لکٹ گھر پر بہت بھی تھار گئی ہوئی تھی۔ خدا خدا کر کے ہمارا نہ ہم یا تو ہم نے ایک اسٹوڈنٹ لکٹ ماٹھا تو انہوں نے ہم سے اسٹوڈنٹ کارڈ طلب کیا کیا ہے ٹالنے کے لیے ہم نے جب میں ہاتھوں اٹا تو وہ موجود نہیں تھا۔ اب ہمیں یاد آیا کہ ہم اسٹوڈنٹ کارڈ گھری بھول آئے ہیں۔ مرتا کیا ان کرنا، اسٹوڈنٹ کے رعایتی لکٹ کے جائے پوری قیمت پر ایک جیز لکٹ خریدنا پڑا۔ اس اضافی خرچ کے بعد ہمارا بھت کم ہو گیا تھا۔ وہ بھی کے رکنے کا کرایہ انکال کر تھے کہ لیے بہت کم پیٹھے تھے۔ خیز یہ تو بعد کا مسئلہ تھا۔

آج مجھ کا آفری اور ہم دن تھا۔ مجھ بہت سُنی خیز مرطے میں تھا اور آج مجھ کا فیصلہ بھی متوقع تھا۔ جب ہم جیسے کرکٹ کا خاص شوق نہ رکھنے والے مجھ دیکھنے پہنچ گئے تو کہا کرکٹ کے شیواں دی آتے۔ اس لیے میں ہزار کی کنجائش والے اسٹینڈیم میں پھیں



سوٹ پر پاکستان لکھا ہوا تھا جب Finland میں ہونے والے مقابلے میں عبدالحق نے ریکارڈ قائم کئے تو کنٹری کرنے والے نے انہیں کہا Mr Welldone Pakistan۔ تمنہ وصول کرتے وقت عبدالحق نے دخالت کی کہ میرا تم عبدالحق اپنے پاکستان میرے ملک کا نام ہے۔

اس زمانے میں یورپ میں ایک دوڑ ہوا کرتی تھی جس میں چودو و فوند ووز جیتنے والے شخص کو Unbeaten Man of Europe کا خطاب ملا تھا۔ اس وقت تک پوری دنیا میں یہ خطاب کسی شخص کو حاصل نہیں ہوا تھا۔ یہ خطاب بھی عبدالحق کے حصے میں آیا اور ان کے بعد یہ خطاب اور کسی کو میسر ہوا۔

انہوں نے ۱۹۵۶ سوئے کے تھے، ۱۵ چاندی کے تھے اور ۱۲ کافی تھے حاصل کئے۔ صوبیدار عبدالحق کی بہترین کارکردگی کو دیکھتے ہوئے ۱۹۵۸ء میں پاکستان کے صدر جزاں ایوب خان کی جانب سے انہیں تمنہ برائے حسن کا کردار گی سے بھی اواز آیا۔

انہوں کے علاوہ صوبیدار عبدالحق نے ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں ہونے والی جگہوں میں بھی حصہ لیا اور سو ملڑھا کے بعد گلر پاکستانی سپریوں کی طرف وہ بھی جگہ قیدی نالئے گئے، اور انہیں اتفاقی طور پر بھارتی کرع کرشن اعلیٰ وادی نے اور جم پار میں موجود قیدیوں کے بیچ میں دیکھ لیا۔ صوبیدار عبدالحق کا نام جان کر کrush کرشن اعلیٰ وادی نے ان سے استفسار کیا کہ کیا وہ وہی پاکستانی اتحادیت صوبیدار عبدالحق ہیں تو صوبیدار عبدالحق نے اثاثت میں سر ہلا کیا اور ان سے اپنے ایک ساتھی سپاہی کی بھی افادہ کئے درخواست کی جو اس وقت زندگی حالت میں موجود تھے۔ عبدالحق کی یہ درخواست فوری طور پر منظور کر لی کئی۔ جب اس وقت کی بھارتی وزیر اعظم احمد گاندھی کے علم میں یہ بات آئی کہ ان جگہ قیدیوں میں ایک قیدی پاکستانی ہے اور مشہور اتحادیت عبدالحق بھی ہے تو اندرا گاندھی نے فوری طور پر انہیں رہا کرنے کا حکم دیا لیکن صوبیدار عبدالحق نے اپنے ساتھیوں کے بغیر رہا ہوتے سے الٹا کر دیا اور وہ پاکستان تجھی وادی میں لوٹے جب شمل معابرے کے بعد تمام جگہ قیدیوں کو رہا کیا۔

عبدالحق صوبیدار کے رجک سے نائز ہوئے اور پھر پس پروش نہست میں پہلی ایتحادیت کوچ کے طور پر بھی ذمہ دار یاں نہجاں گیں۔ عبدالحق کا انتقال وہ مارچ ۱۹۸۸ء میں ہوا اور ان کی تدقیق ان کے آپائی گاؤں جذدا گوان میں تھی کئی گئی۔

☆.....☆

صوبیدار عبدالحق تیس مارچ ۱۹۳۳ء کو ضلع چکوال کے ایک گاؤں جذدا گوان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی زندگی میں وہ کنٹری کے ایک نامور کھلاڑی تھے۔ اس زمانے میں بریگینیزیر C H Birothum پاک آرمی اسپریٹس بورڈ کے سربراہ تھے۔ ایک دن انہوں نے چکوال کے نوجوان عبدالحق کو کنٹری سختی دیکھا اور اس کے کھلی سے متاثر ہو کر اسے پاک آرمی اسپریٹس میں بھرتی کر لیا۔ دراں تربیت یہ بھی کھلا کر عبدالحق کی یاگلوں میں بجلیاں بھرتی ہیں اور وہ اتحادیت ہے کہ دراں نے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ عبدالحق نے تو قومی کھیلوں میں کامیابی کے جذبے سے گاڑنے کے بعد میں الاقوامی مقابلوں میں بھی حصہ لیا۔

عبدالحق نے ۱۹۵۳ء میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھارت کا دورہ کیا اور وہاں پر ان کا مقابلہ بھارت کے سب سے مشہور اور تیز رفتار اتحادیت لیوی چالو کے ساتھ ہوا۔ عبدالحق کے مقابلے سے پہلے وہ جس ہول میں پھرے ہوئے تھے وہاں ان کے کمرے کے باہر ان کو پکنالیک میں جس پر لکھا ہوا تھا ”عبدالحق“ پنحو کے پیوس کی خاک کو بھی نہیں چھوڑ پائے گا۔ عبدالحق نے جب وہ پکنالیک دیکھنے تو انہوں نے کہا کہ اب مرنا منظور ہے لیکن بھارت کی سر زمین پر ہمارا منظور نہیں ہے۔ مقابلے والے دن سارے تماشائیں کی نظریں رہیں کورس پر گلی ہوئی تھیں۔ شروع میں بھارتی اتحادیت لیوی چالو اور کھنگو دوڑ میں سب سے آگے تھے لیکن اچاک بھلی کی دوڑ کے ساتھ عبدالحق نے لیوی چالو کو بھی پیچے چھوڑ دیا اور وہ دوڑوں اعشاریہ ڈیکنڈ میں مکمل کر کے فتح اپنے نام کی۔ اس وقت میدان میں یکقدم سکوت چھا کیا تھا اور سو لوگ جرجن ہو گئے تھے کہ یہ ہوا کیا ہے۔ عبدالحق کی جیت کے بعد اس وقت کے بھارت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے عبدالحق کو Flying Bird of Asia (پرنده ایشیا) کا خطاب دیا تھا۔ ان کا نام اس وقت دنیا کے سات بہترین اتحادیت میں بھی شامل کیا گیا۔

(پرنده ایشیا) صوبیدار عبدالحق

Flying Bird of Asia

حسن غفر

اس کے بعد عبدالحق نے پیچھے ملک کر کی بھی شدیکھا اور وہ مختلف میں الاقوامی مقابلوں میں کامیابی کے جذبے سے گاڑتے چلے گئے۔ ۱۹۵۸ء میں جاپان کے شہر نوکیو میں سو میٹری ریس انہوں نے دس اعشاریہ ڈیکنڈ میں مکمل کر کے پہلی پوزیشن حاصل اور وہ سو میٹری ریس اکیس اعشاریہ سات ڈیکنڈ میں مکمل کر کے دوسری پوزیشن حاصل کی۔ انہوں نے ۱۹۵۹ء میں ہونے والے سیلمورن اوسپکس اور اسپکس اور ۱۹۶۰ء میں ہونے والے روم اوسپکس میں بھالی پر چمٹا ہے۔ یہ وہ درجہ تھا جب عالمی سطح پر پاکستان کی کوئی پہچان نہ تھی، ان کے فریک

کے دوران لہرایا جاتا رہا ہے۔ اولمپک کاماؤ "جیز، اعلیٰ، مصبوط" ہے جسے جیمز ڈی کو برلن نے 1894ء میں تجویز کیا تھا اور یہ 1924ء سے استعمال کیا جاتا ہے۔

جیز جیمز ڈی کو برلن نے 1894ء میں انٹرنشنل اولمپک کمیٹی (IOC) کی بنیاد رکھی، جس کے نتیجے میں 1896ء میں پہلے جدید جیز منعقد ہوئے۔

20 ویں اور 21 ویں صدی کے دوران اولمپک تحریک کے ارتقاء کے نتیجے میں اولمپک کھیلوں میں کئی تبدیلیاں آئیں۔ ان میں سے برف کے کھیلوں کے لیے سرمائی اولمپک جیز، محدود احتمالیں کے لیے جو اولمپک جیز، 14 سے 18 سال کی عمر کے احتمالیں کے لیے پیچھا اولمپک جیز پائی کافی بینیشنل جیز (پہن امریکن، افریقی، ایشیائی، یورپی) شامل ہیں۔

اولمپک تحریک میں لااقوائی کھیلوں کی فیڈریٹیوں (IFs)، قومی اولمپک کمیٹیاں (NOCs) اور ہر مخصوص اولمپک جیز کے لیے آرگانائزیشن کمیٹیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ فیصلہ ساز ادارے کے طور پر IOC ہر کیل کے لیے میرزاں شہر کے انتخاب کا ذمہ دار ہوا ہے، اور اولمپک چارٹر کے مطابق کھیلوں کو مضمون اور فناز فراہم کرتا ہے۔ آئی اولمپک پروگرام کا بھی تینیں کرتا ہے، جس میں کھیلوں میں حصہ لینے والے کمیل شامل ہیں۔ اولمپک کی رومنات اور علاقوں میں، جیسے اولمپک پر جم اور مشعل، نیز افتتاحی اور اختتامی تقریبات، ہر ایونٹ میں پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کرنے والے کھلاڑی اولمپک تھفے حاصل کرتے ہیں جنہیں بالترتیب طلاقی، چاندی اور کافی کے تھے کہا جاتا ہے۔

خارے پہنچا یہ شمارہ چونکہ کھیلوں کے حوالے سے خاص ہے تو ہم آپ کے لئے دنیا کے سب سے بڑے کھیلوں کے مقامیوں اولمپکس کی کہانی لے کر آئے ہیں۔

تو سمجھئے، جدید اولمپک جیز یا اولمپک کھیلوں کے سرکردہ میں ان لااقوائی مقابلوں میں جن میں موسم اگرما اور موسم سرما کے کھیلوں کے مقابلے ہوتے ہیں جن میں دنیا بھر سے بڑاروں کھلاڑی مختلف مقابلوں میں حصہ لیتے ہیں۔ اولمپک کھیلوں کو دنیا کا سب سے بڑا کھیلوں کا مقابلہ سمجھا جاتا ہے جس میں 200 سے زیادہ ممالک کے کھلاڑی حصہ لیتے ہیں۔ اولمپک جیز عام طور پر ہر چار سال بعد منعقد ہوتے ہیں، چار سال کی مدت میں ہر دو سال بعد سرما اور موسم اولمپک منعقد ہوتے ہیں۔

اولمپک موجودت اولمپک چارٹر میں موجود نظریات کی نمائندگی کے لیے ملتوں کا استعمال کرتی ہے۔ اولمپک کی علامت، جسے اولمپک داروں کے نام سے جانا جاتا ہے، پانچ ایک دوسرے سے جزو ہوئے داروں پر مشتمل ہے اور پانچ آباد براعظموں (فریت، امریک، ایک براعظم سمجھا جاتا ہے)، ایشیا، یورپ اور اوشیانا) کے اتحادی نمائندگی کرتا ہے۔ ان گھوٹیں کا رنگین درجنہ — نیلا، بیٹا، سیاہ، بیڑا اور سرخ — ایک صفائی پر جم پر اولمپک پر جم ہاتا ہے۔ ان رنگوں کا انتخاب اس لیے کیا گیا کہ ہر قوم کے قومی پر جم پر ان میں سے کم از کم ایک رنگ ضرور ہوتا ہے۔ یہ جنہاً 1914ء میں اپنا یا گیا تھا لیکن پہلی بار اسے 1920ء کے سرما اولمپک میں ایشورپ، پٹھیم میں لہرایا گیا۔ اس کے بعد اسے کھیلوں کے ہر مقابلوں

اولمپک کریڈل

وانیال حسن چھٹائی



نوجہتی

علمیشاہ محمود علی

۰ ۰ پاکستان کے فوجی ہے
۰ ۰ پاکستان کے بیرو ہے
جب ساری دنیا سوتی ہے
۰ ۰ فوجی پہرا دیجے ہے
۰ ۰ پاکستان کے بھرے ہے
۰ ۰ پاکستان کے بیرو ہے
۰ ۰ چان بھٹلی پر رکھتے ہیں
۰ ۰ ملک کی خاتف کرتے ہیں
۰ ۰ پاکستان کے موئی ہیں
۰ ۰ پاکستان کے بیرو ہے
جب دہیز پر دشمن آتے ہیں
۰ ۰ دشمن کو حدا بچھاتے ہیں
۰ ۰ پاکستان کے شاہین ہیں
۰ ۰ پاکستان کے بیرو ہے
۰ ۰ بھت جو دکھاتے ہیں
تو دشمن من کی کھاتے ہیں
۰ ۰ پاکستان کے رہبر ہیں
۰ ۰ پاکستان کے بیرو ہے
۰ ۰ پاکستان کے فوجی ہیں
۰ ۰ پاکستان کے بیرو ہے



ان مالی کمیلوں میں اب تقریباً ہر قوم کی نمائندگی ہوتی ہے۔ ہر دو سال بعد اولپکس اور اس کی میزبانی میں تماش کھلاڑیوں کو قومی اور بعض اوقات بین الاقوامی شہرت حاصل کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ یہ کمیل میزبان شہر اور ملک کو دنیا کے سامنے اپنے آپ کو دکھاتے اور منوانے کا موقع بھی فراہم کرتے ہیں۔

ان کمیلوں کی مختلف اقسام بنا دی گئی ہیں جن میں سرمائی اولپکس کو برفر اور برفر کے کمیلوں کو تماش کرنے کے لیے بنایا گیا تھا جن کا سرگیمز کے دوران انعقاد شہوری طور پر ناممکن تھا۔ قرار اسکیلینگ اور آئس ہائی کو سرمائی اولپکس میں اولپک مقاماتوں کے طور پر پیش کیا گیا۔ IOC نے کمیلوں کی اس فہرست کو کافی حد تک وسعت دی ہے اور سوسم سرمائی دیگر سرگریوں کو شامل کیا گیا ہے۔ لوزان میں 1921 کی اولپک کا انگریزی میں، اولپک گیمز کے سرمائی کمیلوں کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا۔ 1924 میں فرانس کے شہر چپنگس میں تین ماہ بعد منعقد ہونے والے جیس گیمز کے سطھے میں منعقد کیے گئے۔ یہ ایڈٹ پہلا سرمائی اولپک گیمز ہے گیا۔

1960 میں، گرین 400 میڈال اچھلیں کو متوازی اولپکس میں حصہ لینے کے لیے روم لائے، جو سرمائی اولپکس کے متوازی طور پر کھیلے گئے اور پہلے ہی اولپکس کے ہام سے مشہور ہوئے۔ اس کے بعد سے، جو اولپکس ہر اولپک سال میں منعقد ہوتے رہے ہیں اور اولپک شیوال میں 1988 کے سرگیمز سے شروع ہوتے، اولپکس کے میزبان شہر نے بھی جو اولپکس کی میزبانی کی ہے۔

بین الاقوامی اولپک کمیل (IOC) اور اولپک بھٹل (IPC) نے 2001 میں ایک معاهدے پر دستخط کیے جس میں اس بات کا اعلان کیا گیا کہ میزبان شہروں کو اولپک اور جو اولپک گیمز دونوں کے انعام کے لیے کھانا جائے گا۔ یہ معاهدہ یونیک میں 2008 کے سرگیمز اور بیکور میں 2010 کے سرمائی کمیلوں میں ہافنڈ ہوا۔ ان کمیلوں کے آغاز کا منتصد یہ بیان کیا گیا کہ ہم مخذول لوگوں کے متعلق عوامی روایوں کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔

2010 میں، اولپک گیمز میں بخوبی گیمز بھی شامل کئے گئے جن میں 14 سے 18 سال کی عمر کے کھلاڑیوں کو مقابلہ کرنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ بخوبی اولپک گیمز کا تصور آئی اوسی کے صدر جیک روگ نے 2001 میں دیا تھا اور آئی اوسی کی 119 دیس کا انگریزی میں دو ان اس کی مختصری وہی کی تھی۔ پہلے سری تھی گیمز سنگاپور میں 14 سے 26 اگست 2010 تک منعقد ہوئے، جبکہ افتتاحی سرمائی کھیل دو سال بعد آسٹریا کے شر اسپر کی میزبانی کی تھی۔

موسم کرما کے کھیل بارہ دن تک جاری رہتے ہیں، جبکہ موسم سرمائی کھیل زدن تک جاری رہتے ہیں۔ ہم ان کمیلوں میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ ☆

احمد عدنان طارق صاحب ہر دل غزیر نکھاری ہیں۔ ”جگجو اور اڑو دھا“، ان کی ایک
محدث تحریر ہے۔

مصیت کیسی بھی ہو اگر عقل مندی کا مظاہرہ کیا جائے تو اس سے چنگا کرو پایا جاسکتا
ہے، مم جو دوست ایک علمائی بجزیرے میں جنگلیں کے چنگل میں پھنس تو گئے گمراہ پہنچ
ذہانت سے وہاں سے نکلنے میں کامیاب نہ ہے۔ عائشہ اطہر صاحبہ کی ایک خوبصورت
تحریر ”علمائی بجزیرہ۔“

الف گر کی دنیا میں پہلی بچانے آیا ہے نیا جا سوی نادل ”ریگ مائر“ تحریر کیا ہے
بہت ہی بیارے رائٹر احمد عدنان شیخ صاحب نے۔ صبور، صارم اور نیب کی تکونی مشتمل اپنی
ہلکی پہلی بوک جھونک کے ساتھ متھر یا مام پا آئی ہے۔ کہانی ابھی کھلی نہیں ہے، امید ہے اگلی
قطع میں بھرپور اداز میں نظر آئے گی۔ نادل کی کامیابی کے لیے نیک خواہشات۔
”ازن ملٹری کا تحریر“ کی آخری قسط بہت زبردست رہی۔

امان اللہ نیر شوکت صاحب شاعری کے باہم شاہق ہیں ہی۔ نثر میں بھی کمال مبارک
رکھتے ہیں۔ براف کا پہاڑ جیسی خوبصورت تحریر اس کی اولیٰ سی مثال ہے۔
چل پرندے دنیا کی خوبصورتی اور حسن ہیں جس تیزی سے درخت کافے جادے ہے۔
الاطاف کیں صاحب اپنی تحریر ”سید حارست“ میں بہت ہی بہترین پیغام دے
رہے ہیں۔ بہت ہی خوبصورت اور زبردست تحریر اس ماہ کی۔

ایوی گنہ ہے۔ قیصر مختاری کی خوبصورت تحریر ”رڈن چہرے“ میں یہ بتایا گیا ہے۔
سیدہ اقراء اعجاز اپنی ساکنی ”خوناک جرپ“ کے ساتھ حاضر ہیں۔ بہت ہی
غیر موقوع انجام کی حال یہ کہانی بہت خوب رہی۔
”ساشا اور کوکا یڈ و پچر“ کے ساتھ حاضر نہدست ہیں فرزین اور اساحب دلچسپ تحریر۔
کہراں خواکار اور اس کے ساتھی اینڈی کی بہادری کی وجہ سے پولس کے لئے چڑھ
گئے۔ تحریر جمل کی تحریر ”کہراں خواکار“ ایک جاندار تحریر رہی۔

چنان خواہنگوں نے کیک کا کیا یہہ فرق اور سانگرہ کا مزہ کیا کر کر۔ آپا ہوئی پریشان تو
خینف ملک صاحب کی قسط اور کہانی ”آئے تن کی تھی“ کی آخری قسط خوب رہی۔
ناہید گل کی خوبصورت اور ایڈ و پچر سے بھرپور تحریر ”ناہیل فراموش ایڈ و پچر“
بہت زبردست رہی۔ ”قاٹل کون“ لے کر حاضر محفل ہیں رخشندہ دیگر صاحب۔
”چھاچھا جرأتی اور چالاک ہائے“ سمجھی دلچسپ اور پر مزاح تحریر پڑھ کے مزہ آگیا۔
سمیع علی سکن کی ”ایڈ و پچر ایڈ و پچر“ بہت ہی دلچسپ رہی۔

اسے ذریں لگا تھا گمراہ بھائی کو چوتھی توڑ کا مطلب سمجھا گیا۔ اصغر شیم کی اندزا
سے ایک بہت ہی خوبصورت تحریر۔
حسن عمر لالائف کی دنیا سجائے الف گر کی عقل میں حاضر ہیں۔ یوں تو تمام لالائف

P-MALL

قارئین کے کئی میلے میلے اور دل پر خلوطہ الامتنوار مسلم!

ایڈ و پچر اگر
آداب!

محترمہ عییرہ احمد کے نئے سلسلہ دار جا سوی نادل شاہین کے خوبصورت سروری
سے سجا یہہ دلچسپ نمبر بہت اچھا گا۔

الف نامہ میں رمضان اور عید کی مبارکباد کے ساتھ ساتھ الف گر کی جو تمہی سانگرہ کی
نوید بھی سنائی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نے جا سوی نادل شاہین کا تذکرہ بھی زورو
شور سے کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ شاہر ایڈ و پچر نمبر ہے تو اسی حوالے سے اس میں تحریریں بھی
شاہل کی گئی ہیں۔ یوم سمی کے حوالے سے محنت کشیوں کی محنت کو خراج قسمیں پیش کرنے
اور ان کی ضروریات پوری کرنے پر بھی زور دیا گیا ہے۔

”حمد باری تعالیٰ“ اسلام جھائی بہت ہی بیاری اور خوبصورت نظم کے لیے بہت بہت
مبارکباد۔ اولیس بھائی بہت ہی بیاری نعمت شریف ہے۔ بہت بہت مبارکباد۔ روپشن سیموں
گل کی کہانیاں دل پاڑ کرتی ہیں اور انہیں پڑھتے ہوئے بہت بہت مخلوق ہوتا ہے۔

بہر طوٹے اور نجی چڑیا کی دوستی پر بھی مدح و شادبکی ایک بہترین تحریر۔
فندہ ٹکلیں کی تحریر ”کوہ چیل کا ایڈ و پچر“ بلند حوصلہ اور ایڈ و پچر پسند لوگوں کی کہانی
ہے۔ بہت ہی خوبصورت تحریر کے لیے فندہ ٹکلیں کو مبارکباد۔

ایڈ و پچر نمبر میں عید کی خوشیاں دو بالا کرنے بندہ ہاچیز کی نظم ”دن عید کا“ بھی ڈھان
اشاعت ہے۔ الف گر کا ٹھنگزار ہوں اس عزت افرادی کے لیے۔

ایڈ و پچر نمبر کی سب سے خاص الخاتم بات محترمہ عییرہ احمد کا نیا جا سوی نادل
”شاہین“ کی پہلی قسط کا پیش کیا جانا ہے۔ نیم شاہین اس میں ”بڑگد کی چڑیلیں“ میں پا
کام کر رہی ہے۔ یہ نادل تین جا سوں پچھوں شیر دل، احادا و نایاب کے کارنا مون کے گرد
گھومتا ہے۔ نادل کی پہلی قسط ہی انتہائی دلچسپ اور بہترین ہے۔ نادل دلچسپی کا عذر لیے
ہوئے ہے۔ امید ہے نادل اپنی دلچسپی رقرار کئے میں کامیاب رہے گا۔

قراءہ ایمن خرم ہائی کی خوبصورت تحریر ”کالا جال سرخ تکڑا“ بہترین تھی۔
”گدو اور سلو بھائی کی ہم جوئی“ نے ایسا کمال دکھایا کہ بھائی لوگ گینک نے ٹرالوں
سے توبہ کر لی۔ روپینہ کیمیر کی دلچسپی سے بھرپور ایک خوبصورت تحریر۔

یہ عزیز اور بے شک آج میں اپنے کئے کوئی چیزوں کا، الابہت اچھا گا۔

محمد رمضان شاکر (پاپن)

☆ اسے تفصیل اور مدد تبرے کے لیے ملکورہما۔

مختصر مایہ پر صاحب

السلام علیکم ←
السلام علیکم! بھلی باراٹ اگر پر تبرے کے ساتھ حاضر ہوں۔ سب سے پہلے حمد کی بات کریں تو اسلام بھائی نے خوبصورت انداز میں الشرب الحضرت کی حمد و شایان کی۔ ”ون عید کا“ رمضان شاکر کی ایک خوبصورت تصویر تلمذ ہارت ہوئی۔ نعمت رسول مقبول میں محمد اولیٰ مکہ میں تحقیقیت پیش کرتے نظر آئے۔ حمد و شکر کی بات کریں تو ”کوہ پیانا کا ایڈ و پیچر“ پیازوں کی چنانوں کو سر کرتے ہمہ تو جوان کی کہانی رہی۔ ”روشن چھرے“ بہت شاد اور تحریر تھی۔ ہمیں کبھی بھی اللہ کی رحمت سے ماہیں نہیں ہونا چاہیے۔ سب کے پسندیدہ اکھاری احمد بن دان طارق صاحب ایک اور ترجمہ کہانی کے ساتھ حاضر تھے۔ کہانی کا انتظام بہترین رہا۔ پچھا خواتین و دلپیپ رہے۔ جڑے با کمال انداز میں پیچانے الف تکری کی ساگرہ ملتی۔ ”شایین“ کی قطع بہت زبردست رہی۔ ”ساشا اور کوکا ایڈ و پیچر“ دلپیپ تحریر رہی۔ اس کے علاوہ ”کالا جال سرخ نکڑا“ اور ”گلو، سلوکی ہم جوئی“ بھی اچھی کہانیاں رہیں۔ مختصر کہانیوں میں ایڈ و پیچر، ایڈ و پیچر، دلپیپ رہت اچھی گلیں۔ ”کبڑا فوا کار“ اور ”طلسماتی جزیرہ“ بھی شمارے کی روشنی دو بالا کرتی تحریر رہیں۔ رسائل کی دنیا میں الف تکری کا اگ ہی میاہر ہے۔ یوں حکمیں اور بہترین کامنز پر رسال شائع کرنے کا اعزاز آپ کوہی جاتا ہے۔ امید ہے کہ پہلا خط شائع کر کے حوصلہ فرائی فرمائی گے تاکہ ہم آئندہ بھی اس زم میں شریک ہوتے رہیں۔

محمد اقبال حسن چھائی (کبر و زیکا ضلع لوہران)

☆ تفصیل تبرے کے لیے فہریہ۔

پیاری آپی!

السلام علیکم! الف تکری کا می جوں کا خوبصورت شاکر (ایڈ و پیچر) پوری شان کے ساتھ ہمارے پاس آیا۔ سرورت، بہت ہی خوبصورت اور پر کشش تھا۔ شایین ناول کی بھلی قسط تو بہت ہی زیادہ ہزرے دار گئی۔ اگلی قسط کا شدت سے انتحار ہے گا۔ ”برف کا پیارا پڑھ“ کر یوں گھوس ہوا ہیسے کریں بھی دیں موجود ہوں۔ بہت خوب۔ ”کالا جال سرخ نکڑا“ پر اسراری کہانی تھی۔ زبردست رہی۔ میری کہانی ”خوفناک تحریر“ شائع کرنے کا بھی بے حد تکری۔ ”آئے تن کی تکلی“ کی آخری قسط بہت ایچھی گئی۔ پچھا خواتین و دلپیپ کے کارناٹے پڑھ کر بہت ہی زیادہ بخشی آئی۔ ”طوطے کے گیت“ پیاری ہی بھلی پھلکی تحریر پسند آئی۔ مجھے پرندوں کی کہانیاں بہت پسند ہیں۔ اس کے علاوہ بھی باقی ساری کہانیاں

☆ پیاری اقراء اتھرے کے لیے فہریہ۔

مختصر مایہ پر صاحب

السلام علیکم

بلاشبہ ”الف تکری“ ایک ایسا ماہنامہ ہے جو اپنے اندر پچوں کی دل بھلکی کا حصہن و تکمیں مواد سینے پیجوس سیست بڑوں کو بھی اپنی جانب راہب کرتا نظر آتا ہے۔

ایڈ و پیچر بھر بھوں تو سارا پر چڑھ دیکھ دیجی آموز کہانیوں سے سجا ہوا ہے لیکن مجھے ذاتی طور پر کچھ کہانیاں بہت اچھی گلیں ان میں سے ایک تو وہ من سیمویل گل کی سزا“ نے دل ہوا ہیا۔

فندہ ٹکلیں کی تحریر ”کوہ پیانا کا ایڈ و پیچر“ پکجہ اور حوری ہی گھوں ہوئی کہ ایک دم ہی اختیام کر دیا گیا۔ محمد رمضان شاکر ”ون عید کا“ میں بہت پیار سے عید کی خوشیاں تضمیم کرتے نظر آئے۔

”بر گدکی چڑی میں“ میں عسیر، احمد نے بھر پوکوش کر دیا ہے مجھے شایونوں کی روح خٹک کرنے کی۔ بیچاری نیم کو پہلے ہی بیٹے میں ایسے کیس کا سامنا کرنا پڑ گیا ہے جو ان کے پچھے بھی چھڑوا سکتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تھا ”یو جن“ یوں ہی آنکھیں کھا ہے۔ رہے گیا اس کے بھی پچھے چھوٹیں گے؟ اگلی قسط کا انتظار ہے۔

الف تکری میں ”فرزین لبر، قرۃ الہمین خرم ہائی اور رشدہ ہیگ“ کو خوبصورت تحریروں کے ساتھ بر ایمان پا کر دل شاد ہو گیا۔

الحاف حسین کی یوم سی کے والے سے لکھی گئی تحریر ”سید حادثت“ نے دل ہوا ہیا۔ ونگر قاتم کہانیاں، مختصر کہانیوں سیست بہترین گلیں۔

ایڈ و پیچر میں جانے پیچانے، قیصر مشتق، امان اللہ نیم شوکت۔ نظیر قادری، ناہید گل، بہرام علی، ڈوکے نام، کچھ کراز صد خوشی ہوئی۔

ہنسنے، سکراتے، رنگارنگ الف تکری کی اشاعت پر ادارے کو ہی مبارکباد۔ بے ٹھک ”الف تکری“ پچوں کے لیے ایک بہترین اور جاذب ارسلان ہے۔ صرف ایک چیز کی کی گھوں ہوئی کہ پچوں کی اس رنگارنگ دنیا میں ایک صفحہ اگر نئے نوں کی تصادم کے لیے تخت کر دیا جائے تو یقیناً اس کی خوبصورتی میں چار چاند گل جائیں گے۔

تمام الف تکری کا میری ہیوں کے لیے دعا گو۔

رجحان شاکر (کارپنی)

☆ جی آپ کی فرمائش پر مجھے مٹوں کی تصوریں لگادی گئی ہیں۔

مختصر کہانیاں

پچھلی گلی

مبشرہ خالد

"بیارے پچھلے آن آپ کا جماعت میں پہلا دن ہے اس لیے یہ بات اہم ہے کہ میں آپ سب کو اسکول کے قواعد و ضوابط کے بارے میں آگاہی فراہم کر دوں۔" مس ماریہ نے تیری جماعت کے طالب علموں کو خاطب کرتے ہوئے کہا اور ہر سال کی مرح اس سال بھی پچھلی گلی میں نہ جانے کا کہا۔

"ویسے انہی میں ایک بات جیسی سمجھ آتی۔ یہ میں پچھلی گلی میں جانے سے کیوں روکا جاتا ہے؟" رابعہ نے اہم سے پوچھا۔

"پچھلی گلی کے بارے میں بہت سی باتیں مشہور ہیں۔ کوئی کہتا ہے بھتوں کا سایہ ہے، کوئی کہتا ہے وہاں موجود کاٹھ کیاڑ میں چیپکیاں ہوتی ہیں مگر مجھے تو ان سب باقیوں پر تھیں نہیں۔ میرا خیال ہے ہمارے تمام اسائد و ہماری ہفاظت چاہیے ہیں۔ چونکہ اس گلی میں کوئی آتا جاتا نہیں اور وہاں پرانا کاٹھ کیاڑ موجود ہے اس لیے چوٹ لگنے کا اندریش ہے اور چوٹ لگنے کی صورت میں کسی کو ہرگز ہو سکتی۔ اس لیے میں روکا جاتا ہے۔"

"مگر میں اب ضرور پچھلی گلی میں جاؤں گی۔ میں جانا چاہتی ہوں میں کیوں روکا جاتا ہے۔" رابعہ نے کہا۔

"جیسی تھاہی مرضی، میں پچھلی گلی کہہ سکتی۔"

"اہم! آؤ آج ہم پچھلی گلی میں میں جا کر لج کرتے ہیں۔" دوسرے دن کانے کے وقفے کے دوران رابعہ نے کہا۔

"خیں، میں وہاں نہیں جاؤں گی۔" اہم نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، میں خود پچھلی جاتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے رابعہ پچھلی گلی کی طرف جانے لگی اور اہم اپنے ہاتھی دستوں کے ساتھ کھینچنے لگی۔

"چھو! کیا آج رابعہ غیر حاضر ہیں؟ انہوں نے اردو کے احتجان میں پورے نہر لیے

شیانا پری

ثرہ شوکت (چونیاں)

اپنے کمرے میں "شیانا پری" نے ریشمی لباس زیب تن کیا۔ جس پر چکلیے اور رنگ دار تکینے جکڑ جکڑ بڑی لذت سے جلے ہوئے تھے۔ سر پر ایک ہیروں سے جڑاتا رکھا ہوا تھا جو اس کی خوبصورتی میں چار پانڈا رہا تھا۔

شیانا دیسے تو ان سب چیزوں کی محتاج نہ تھی۔ وہ ان سب چیزوں کے بغیر بھی چڑھوئیں کے چاند کی طرح تھی۔

اس نے گینوں سے جڑا اپنا جوتا پہننا اور چادوئی چھڑی بکڑی جس پر چاند تارہ بناتا ہوا تھا۔ اس کی تیاریوں سے یوں حلموم ہوتا تھا میں وہ کہیں جا رہی ہو۔

محل سے لفتے ہوئے اسے یاد آیا کہ وہ اپنی آنکھی تو کمرے میں ہی بھول آئی ہے جس پر "روپی گلینڈ" جڑا ہوتا تھا۔

شیانا پری کو جب بھی انسانوں کی دنیا نہیں جانا ہوتا وہ یہ آنکھی ہمیں لیتی جس پر دو دلی گلینڈ جڑا تھا۔

اس کو پہن کر وہ انسانوں کو بالکل نظر نہ آتی اور ان کے درمیان سیر کرتی رہتی۔ اسے انسانوں میں رہنا پسند تھا۔ ان کی محبت سے وہ لطف انداز ہوتی۔ وہ پچھوں کو بہت پسند کرتی تھی۔

شیانا پری نے جلدی سے آنکھی لی اور اپنے ہڑے ہڑے پکھا از اتی ہوئی انسانوں کے شہر عائی گئی۔ اس شہر کا نام "فرانس" کو ملار تھا۔

خوشی

سیدہ عالیٰ تکلیل عثمانی (میمی، مہاراشر، انڈیا)

آج اتنی جان نے اسے پانچوں وقت کی نماز پڑھنے پر انعام کے طور پر پورے تیس روپے دیے تھے۔ تیس روپے لے کر وہ دوسرے دن جمعکی نماز پڑھنے مسجد کے لیے لگا۔ اس کے ذہن میں مسلسل یہ سوال گھوم رہا تھا کہ وہ ان پیسوں سے کیا غریب ہے۔

”کھانے کی چیزیں جیسیں۔ وہ تو اپنا جان ساری کی ساری لاکر دے دیتے ہیں اور ری بات کھلوٹوں کی تو وہ بھی موجود ہیں اور وہ یہ بھی تیس روپے میں تو کسی حتم کا کوئی کھلوٹ آنا نصیب ہے۔ اب وہ کئی بات اتنی جان اور اپنا جان کے لیے کچھ لینے کی تو اس کے لیے بھی پہلے کم ہے۔“ اسی بات کے حل کی خلاش میں وہ نماز کے بعد مسجد کے اندر خوش کے بازوں والے چہرے پر ہیطا ہوا تھا مگر اس بات کا حل اسے دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ اپنے اس کی نظر کو اسے پہنچنے ہوئے اس پہنچ پر پڑی جو اسے سکرا کر کچھ رہا تھا اور اس کی والدہ ایک حملی میں رکھے کچھ نہ لے ہوئے بلکہ اسے کھلائی تھیں۔ دنیاں کو انہیں دیکھ کر اپنی اتنی جان کی ایک صحیح یاد آ گئی۔ وہ کہتی ہیں کہ اگر ہم کسی ضرورت میں کی اپنے پاس موجود پیزوں سے مدد کریں تو رہتے ہیں اس سے کہیں زیادہ عطا کرتا ہے اور ہم سے خوش اور راضی بھی ہوتا ہے۔ بس اس کا حل مل گیا۔ دنیاں نے اتنی جان کی صحیح پر عمل کرتے ہوئے مسجد کے اطراف والی دکان سے کچھ بیکث لے کر اس پہنچ کو دیتے ہوئے سکرا کر کہا۔

”یہ لارجھا رے لیے ہیں۔“ اس پہنچ نے اسے سکرا کر دیکھا اور وہ بٹک لے لے۔ اس کی والدہ دنیاں کو اس طرح دیکھ رہی تھیں جیسے بہت سی دعائیں دے رہی ہوں۔ دنیاں کے چہرے پر مکان تھی اور وہ بہت خوش بھی تھا۔

نافرمانی کی سزا

مرثیم

حسن: ”اتی مجھے پنچ لینے کے لئے پہنچے دیں۔“
اقی: ”میں تمہیں ایک پیسہ نہ دوں گی۔ تم اس فضول کیل میں پیسہ اور وقت برہا کر رہے ہو۔ تم کو زیادہ وقت پڑھائی میں صرف کرنا چاہئے۔“
”اقی! آگر آپ مجھے پیسے نہیں دیں گی تو میں آپ کے پر سے نکال دوں گا۔“
حسن و مختاری سے کہتا ہوا کرے کے اندر بھاگ گیا۔ ماں کا پرس میرے اٹھایا، پہنچنے لگا اور باہر بھاگ گیا۔ ماں پہنچنی چلاتی رہ گی مگر حسن کیاں سننے والا تھا۔

اس دن تمام پہنچے، بورٹھے اور جوان مرد خواتین سب رنگ بر گئے کپڑے پہنچنے کوئی تھوڑا منانے میں مصروف تھے۔ ہر گھر سے کھانوں کی خوشبو میں آرہی تھیں۔

ٹیانا نے اپنی جادوئی چھڑی سے اندازہ لگایا کہ آج مید کا دن ہے۔

وہ اب فرانس کولمار کے شہر کے اوپر سے اڑتی ہوئی مسلمان گھرانوں میں ہونے والے مید کے تھوڑا سے لطف انداز ہو رہی تھی۔ وہ پیچوں بڑوں کو پیٹھے کھانے اور گوشت کھاتے دیکھ رہی تھی۔ ان کے پیچوں کی خوشی کو دیکھ کر وہ بھی خوش ہو رہی تھی۔

اسی طرح اڑتے ہوئے وہ ہر گھر کو دیکھ رہی تھی۔

اپاںک اس کی نظر ایک بیوی گھر پڑی جہاں جن میں ایک پچھا سالہ بیک نیلم درہی تھی اور اس کی ماں پر بیٹاں تھیں۔ یہ وہ گھر تھا جہاں سے کھانے کی خوشبو نہیں آرہی تھی۔

ٹیانا جادوئی چھڑی سے یہی اسی گھر میں اتر آئی لیکن وہ سب کی نظر دن سے اونچل تھی۔ ٹیانا نے جادوئی چھڑی سمجھا کہ معلوم کیا تو پیتا چلا کہ پنچی نے کپڑے نہ ملنے پر درہی ہے۔ گھر میں کھانے کو بھی کچھ نہیں بنا تھا۔ اس لیے ماں بھی پر بیٹاں تھی۔

ٹیانا نے جادوئی چھڑی سمجھا اور نیلم کے آگے نما منھا پر بیوں جیسا لباس، ایک گینوں سے جرا جوڑا، چھوٹی پر بیوں جیسی چاند تارے والی چھڑی اور ایک نحاساتیں رکھ دیا اور ساتھی کھانے پہنچنے کے سامان کا ذیحیر بھی لگا دیا۔

نیلم اپاںک سامان کا ذیحیر کچھ کر خوشی سے چلائی:

”اقی! دیکھو! یہ بیوں جیسا لباس اور کھانے پہنچنے کا سامان!“

ماں بھاگتے ہوئے نیلم کے پاس آئی اور دیکھا تھا میں وہاں سب کچھ پڑا تھا۔

نیلم اور اس کی اتنی خوشی سے آنسو برہاری تھیں اور جریان تھیں کہ یہ سامان کیاں سے آیا ہے؟

ان کے اس سوال کا جواب دینے کے لیے ٹیانا نے فوراً انگوٹھی اتاری۔ ٹیانا کی ایک جملہ دیکھتے ہوئے نیلم خوشی سے اچھلی۔

”اقی! اور وہ بھوپری، وہ دیکھو پری!“

ماں نے بھی ٹیانا کو بھوسی کر لیا تھا۔

اب نیلم نے خوشی خوشی نیا لباس پہنھا، تھے جو تے پہنچنے سر پر تاج سمجھا اور ہاتھ میں چھوٹی چھڑی لی جس پر چاند تارہ بنا تھا، اب وہ کسی پرستان کی خوشی پری معلوم ہو رہی تھی۔

اب وہ بھی باقی پیچوں کے ساتھ مید کی خوشی مانے اور کیلئے کے لیے باہر نکل گئی تھی۔

ب پہنچے حضرت سے اس کے لباس کو ہاتھ لگالا کر پہنچ رہے تھے پر بیوں جیسا لباس کہاں سے لیا ہے؟

وہ سکرانے لگی اور ٹیانا کا خوبصورت پیڑہ اس کی نظر دن کے سامنے گوم کیا۔ ٹیانا بھی اپر اڑتے ہوئے اس کے چہرے کی خوشی دیکھ کر سکر اگھی۔

آم میٹھے ہیں

ہائی ارمنیا

جون کی ایک شام، گن میں میٹھے آٹھ ماہ کے کلو میان کو دادی نے آم کی ایک قاش کیا چنانی، آم کی پاٹی کلو میان کے دل میں اتر گئی۔ اس کے بعد جو آم دیکھتے ہدایہ لیتے کر رکھتے چاہیے۔

ان کے نام کا قصہ بھی عجیب ہے۔ گوکر والدہ نے بے حد پیار سے ان کا نام اسماں میں رکھا تھا مگر ہر وقت آم کو الپائی نظر میں سے دیکھنے کے باعث دادی بی بی نے ان کا نام بھی یعنی کیٹ کی گیوڑی ہوئی ٹکل کو روک دیا۔ دادی بی کا کہنا تھا یہی تی کو ہر وقت ٹھیکھروں کے خیال آتے ہیں، ایسے ہی اسماں میں کو آم تھی آم ہر سو نظر آتے ہیں۔

اب قصہ یوں کہ کلو میان سکول جانے لگے۔ پل گروپ کے بعد زبردستی میں آئے تو خیر سے استانی بھی اس بیانات کی آم کی بے حد شوقیں تھیں۔ ہر روز آم لے کر آتیں۔ جب آم کو کاث کر پلیٹ میں جا کے ہاتھ دھونے جاتیں تو کلو میان نہایت بھرتی سے بھل سکتے اور ایک دو قاش اٹھا کر روپ چکر ہو جاتے۔ استانی صاحب تبدیل کا فکار تھیں کہ معاملہ کہاں خراب ہے؟ پلیٹ کی گز بڑی سمجھنیں آرہی تھیں۔ آخر ایک دن آم کاٹ کے استانی صاحب جو ہاتھ دھونے کی راستے میں یاد آیا کہ صاہن پرس میں روگیا۔ پلٹی تو دیکھا کلو میان پلیٹ سے آم کی تین تاشیں لیے روپ چکر ہوئے ہی وائلے تھے۔ استانی کو دیکھ کر رک گئے اور بڑی مخصوصیت سے بوئے:

”مس، آم کھانے آپ نہ کھانا۔“ استانی نے پیار سے کلو میان کو گود میں آٹھ لایا اور سمجھایا کہ یہ چوری ہوتی ہے جو اچھی بات نہیں۔ جب بھی کوئی چیز لئی ہو، بھیش پوچھ کر اور بتا کر لئی چاہیے۔ کلو میان نے اپنی غلطی کی معافی مانگی۔

استانی نے خوش ہو کر آم کی پلیٹ کلو میان کے ہاتھ میں تھماوی۔

ڈنک

”اکثر تمہاری سخت بہت کمزور ہو گئی ہے، تھیں روز کم از کم ایک سوچ کیل کیلے پاہنس۔

بچہ (شرماتے ہوئے): لیکن واکٹر صاحب میں تو روزی کر کت رفت پال اور نہیں کھیتا ہوں۔

”واکٹر (جنت سے): کتنی درجیک؟

بچہ (مخصوصیت سے): جب تک امی مہماں میرے ہاتھ سے جیسیں لے سکیں۔

یا ب روز کا معمول بن چکا تھا۔ سن اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے اپنی کو اسی طرح تغلق کرتا تھا اور پھر چھت پر چڑھ کر پنک اڑاتا تھا۔ دھوپ گردی کسی بات کی اسے پر وادہ نہیں۔ وہ بس اپنے شوق کو پورا کرنا چاہتا تھا۔

زندگی اس کے لئے صرف بھل بھل تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ حسن کے والد ملک سے باہر تھے۔ وہیں کام کرتے تھے، سال و سال بعد پاکستان آتے تھے۔ اسی لئے حسن اتنا خود سزا فرمان ہو گیا تھا۔ مان کی وہ ایک نہ سنا تھا۔ اس کو پڑھائی سے بھی کوئی وضیحتی نہ تھی۔ سکول بھی اپنی مرشدی سے اسی جانتا تھا۔ جب موذن ہوتا بالکل بھی سکول نہ جاتا۔

اس کو اپنے بیسے دوست مل گئے تھے۔ ان کے ساتھ بھل کر وہ شرائیں کرتا اور سکھیتا تھا۔ اکثر دوسرے کے گروہوں کی تھنی بھاکر یہ بیٹے بھاگ جاتے۔ گروہوں میں لگے بھل توڑ لیتے۔ حسن ہر کام میں بیٹھ پیش رہتا۔

حسن کی اتنی اسے بہت سمجھاتی کہ یہ رکنیں نہ کرے گردہ بازی نہ آتا۔ اس نے اپنی زندگی کو بھل بھر کر جانتا تھا کہ وہ ساری زندگی کھیلاتا ہی رہے گا۔

ایک دن حسب معمول حسن اپنی سے زبردستی پیسے لے کر ایک بڑی سی پنک لے کر چھت پر چڑھ گیا اور اسے اڑانے لگا۔ حسن نے کافی زیادہ ڈور چھوڑ کری گئی۔ وہ چھپے کی طرف ہوتا چلا گیا۔ چونکہ بغیر منزیر کے چھت تھی اس نے وہ چھت سے یہ بیٹے آگرا۔ سب لوگ اکٹھے ہو گئے۔ اس کی اپنی بھی بھاگی آئیں۔ اسے فوراً ہسپتال پہنچایا گیا جہاں واکٹر نے معافی کے بعد بتایا کہ اس کی ناگز کی بڑی ٹوٹ گئی ہے۔

حسن کو یہ چلا تو وہ چیزیں اٹھا:

”اللہ کے دامتہ واکٹر میری ناگز ٹھیک کر دے۔ میں آنکھ بھی چیل جیسیں اڑا دیں گا۔ میں اپنی اتنی کا کہنا مانوں گا۔ نافرمانی جیسیں کروں گا۔“ حسن کی اتنی کو بہت دکھ ہوا کاش حسن میری بات مان لیتا تو یہ بہت ناٹی۔ گراب کیا ہو سکتا تھا۔

حسن کو کافی دن ہسپتال رہتا پڑا۔ اس کی ناگز کا آپریشن کر کے بڑی جوڑی گئی۔ پھر ناگز پر پیٹ کر دی گئی۔ اب اسے ایک لمبا عرصہ بستر پر ہی رہنا تھا۔ حسن کو اتنی افسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایسا کیوں کرتا تھا۔ اس کو اس کی سزا ملی تھی۔ اگر وہ اپنی اتنی کو خواہ نہ کرنا تو آج یوں اسے اتنی زیادہ تکلیف ناٹھانی پڑتی۔ حسن کی ناگز ٹھیک ہونے میں کافی وقت لگا۔ اس دوران اس نے جو اذیت برداشت کی یہ وہی جانتا تھا۔ اس کی اتنی نے اس کا بڑا خیال رکھا۔ اسے دکھتا کہ وہ اتنی کی بات مانتا تو آج اتنی تکلیف نہ برداشت کرنا پڑتی۔ حسن اب تھوڑا تھوڑا اسہار اے کر چلنے لگا تھا اور پھر آہستہ آہستہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔ اس نے عہد کیا کہ آنکھ بچانے کا کل جیسیں کرے گا، اپنی اتنی کا کہنا مانے گا اور پوری آرچ تعلیم پر صرف کرے گا۔

"سلطان نام" کے لیے آپ اپنی کوئی بھی اچھی سی سلفی یا تصویر بھیج سکتے ہیں
لیکن تصویر کے ساتھ ایک اچھا ساعتوان یا گٹائش دیانت بھولے۔

تصویر بھیجنے کے لیے ای میل ایڈریس اور وارث ایپ نمبر 0306 6665360
submissions.alifnagar@alifiktab.com

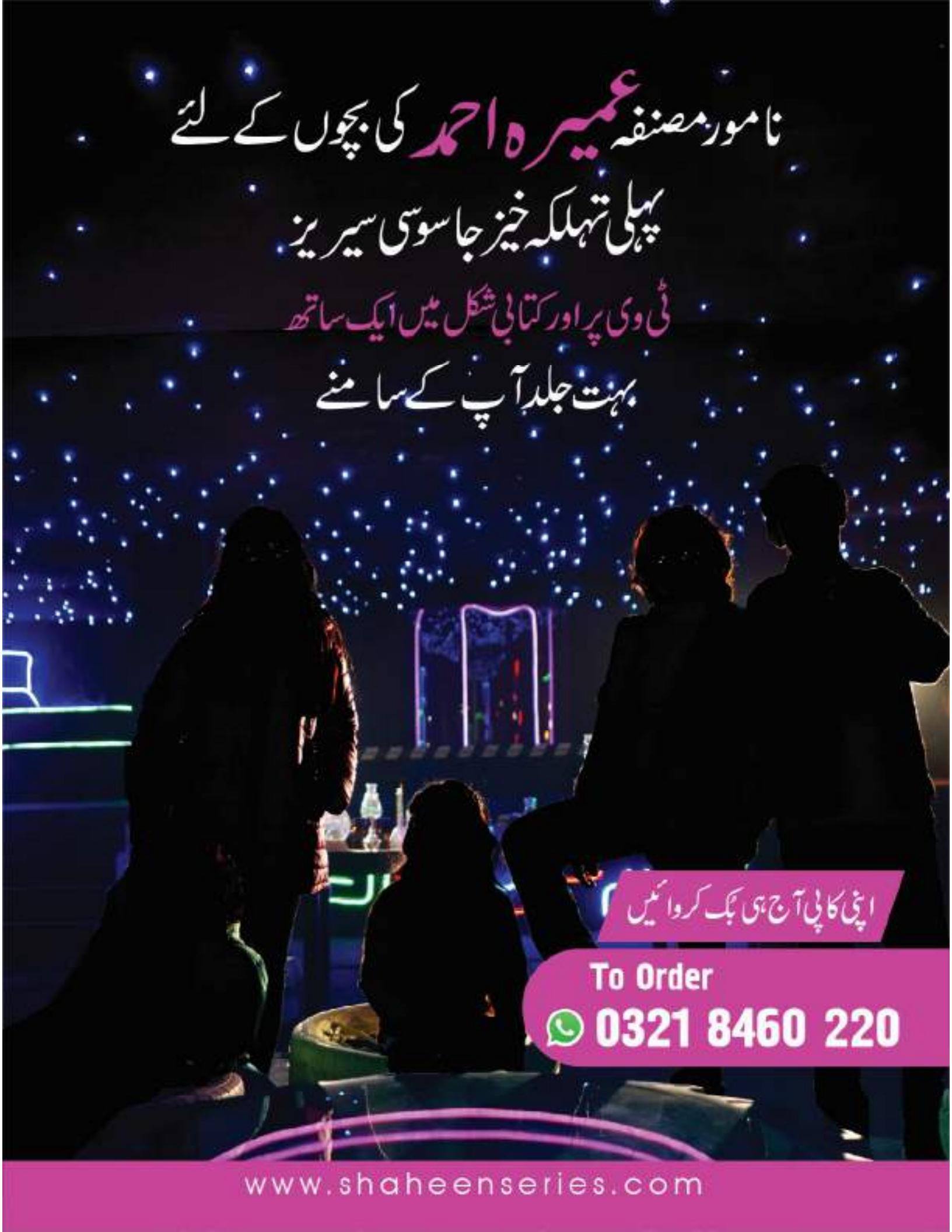
الٹافٹاں

الف کتاب پہلی یکشن کی بچوں کے لیے خوبصورت رنگیں کتا ہیں!



 0321 8460220

نامور مصنفہ سیرہ احمد کی بچوں کے لئے
پہلی تہلکہ خیز جاسوسی سیریز
ٹی وی پر اور کتابی شکل میں ایک ساتھ
بہت جلد آپ کے سامنے



اپنی کاپی آج ہی بگ کرو اسیں

To Order

0321 8460 220